دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

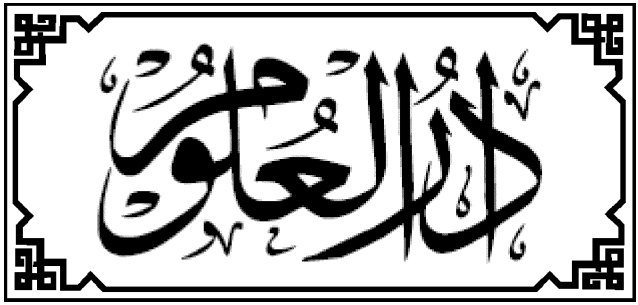



| جلد: ۹۴ | صفر-ربیع الاوّل ۱۴۳۱ھ مطابق فروری ۲۰۱۰ء | شمارہ: ۲ |
|---|---|---|



| نگراں | مدیر |
|---|---|
| حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب<br>مہتمم دارالعلوم دیوبند | حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب<br>استاذ دارالعلوم دیوبند |



ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند-۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ-/۱۵روپئے، سالانہ-/۱۵۰روپئے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ-/۱۱۰۰روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ-/۵۰۰روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم-/۵۰۰روپئے



Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com



R. N. I. No. 2133/57

**DARUL ULOOM** Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

# فہرست مضامین


| نمبر شمار | نگارش | نگارش نگار | صفحہ |
|---|---|---|---|
| ۱ | حرفِ آغاز | حبیب الرحمٰن اعظمی | ۳ |
| ۲ | برصغیر ہند میں دینی نظام تعلیم کے مجدد متکلم اسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور... | مولانا سید ارشد مدنی | ۶ |
| ۳ | قرآن وحدیث کے تناظر میں حقوقِ انسانی کی تشریح | ابواللیث الحسنی کھگڑیاوی | ۱۸ |
| ۴ | اسبالِ ازار اور ہمارا معاشرہ | میرزاہد کھیالوی | ۲۴ |
| ۵ | اکابر دیوبند کیا تھے؟ | مولانا محمد تقی عثمانی | ۲۸ |
| ۶ | انکارِ حدیث کیوں؟ | مولانا محمد یوسف لدھیانوی | ۳۷ |
| ۷ | ذکر خاموش | ولی اللہ قاسمی بستوی | ۵۲ |
| ۸ | تعارف وتبصرہ | ادارہ | ۵۶ |


## ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

عام نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع میں رفع یدین کے متعلق حضرت رسالت مآب ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کے اقوال وافعال مختلف منقول ہوئے ہیں اس لیے یہ مسئلہ ہر دور میں زیر بحث رہا ہے، اور علمائے سلف وخلف نے دیگر مسائل اجتہادیہ کی طرح اس مسئلہ پر بھی اپنے اپنے علم وفہم اور مقررہ اصول وقواعد کے تحت گفتگو کی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ جس باب میں خود صاحب شریعت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور ان کی ساختہ وپرداختہ جماعت یعنی صحابۂ کرام کے عہد میں تنوع اور مختلف صورتیں رہی ہوں، اس میں وحدت ویکسانیت پیدا نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی ایک صورت کو سنت وہدایت اور دوسری کو بدعت وضلالت کہا جاسکتا ہے۔ مسئلہ رفع یدین کی اصل حقیقت یہی ہے۔

مگر افسوس کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ مسئلہ رفع یدین کو حق کی علامت اور اہل سنت والجماعت کی پہچان کے طور پر پیش کررہا ہے اور رفع یدین نہ کرنے والوں کو تارک سنت، مخالف رسول اور ان کی نمازوں کو ناقص بلکہ باطل تک کہنے میں باک محسوس نہیں کرتا۔ جبکہ ان کا یہ رویہ علم ونظر عدل وانصاف اور حقیقت پسندی کے یکسر منافی اور دین کی فہم رکھنے والوں کے طریقہ کے بالکل خلاف ہے۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر ایک مشہور مالکی عالم احمد بن خالدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ ہمارے زمانہ میں مالکی علماء کی ایک جماعت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول حدیث کی بناء پر رفع یدین کرتی تھی، اور ایک دوسری جماعت امام مالکؒ کے تلمیذ ابن القاسم کی روایت کے مطابق رفع یدین نہیں کرتی تھی، مگر کوئی کسی پر کسی طرح کا نقد نہیں کرتا تھا۔'' (الاستذکار، ج:۴، ص:۱۰۴)

حافظ ابن عبدالبرؒ اپنے ایک استاذ ابوعمر عبدالملک بن ہاشم کا یہ بیان بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک دن استاذ محترم نے فرمایا کہ ہمارے شیخ ابوابراہیم اسحاق بن ابراہیمؒ جو اپنے معاصر علماء میں علم

وفقہ میں فائق تھے رفع یدین کیا کرتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کہ استاذ محترم کے اس بیان پر میں نے ان سے عرض کیا کہ تو آپ رفع یدین کیوں نہیں کرتے کہ ہم آپ کی اقتداء کرتے۔ استاذ محترم نے میرے اس استفسار کے جواب میں فرمایا: "لا اخالف روایة ابن القاسم لان الجماعة عندنا الیوم علیها ومخالفة الجماعة فیما ابیح لنا لیست من شیم الائمة." میں ابن القاسم کی روایت کے خلاف عمل نہیں کرسکتا کیوں کہ اس وقت ہماری جماعت کا عمل انھیں کی روایت پر ہے اور از روئے شرع جو امور ہمارے لیے مباح ہیں ان میں جماعت کی مخالفت ائمہ، دین کی عادت وطریقہ کے خلاف ہے۔ (الاستذکار، ج:۴، ص:۱۰۳)

اور عقل و دین دونوں کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جن امور میں توسع پایا جائے کہ ان میں کسی ایک نوع وطریقہ کو لازم کرنے کے بجائے دوسرے طریقہ ونوع کو بھی شریعت جائز ومباح قرار دیتی ہو اور جماعت مسلمین پہلے سے کسی ایک طریقہ پر عمل پیرا ہو تو جماعت کی وحدت اور یک جہتی کو باقی وقائم رکھنے کے لیے عام مسلمانوں کے طریق عمل کی موافقت کی جائے اور بلاوجہ دوسرے طریقہ کو اختیار کرکے انتشار واختلاف نہ پیدا کیا جائے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"فان الاعتصام بالجماعة والائتلاف من اصول الدین، والفرع المتنازع فیه من الفروع الخفیه، فکیف یقدح فی الاصل بحفظ الفرع وجمهور المتعصبین لا یعرفون من الکتاب والسنة الا ما شاء اللّٰه". (مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ج:۲۲، ص:۲۵۴)

جماعت مسلمین سے مستحکم رابطہ اور پیوستگی دین کے اصول میں سے ہے اور جس مسئلہ میں اختلاف کیا جارہا ہے وہ ایک غیر واضح فرعی مسئلہ ہے تو فرع وشاخ کی حفاظت میں اصل اور جڑ کو کیونکر مجروح کیا جاسکتا ہے لیکن عام متعصبین کتاب وسنت کی فہم معرفت سے عاری ہیں الا ماشاء اللہ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں ''بسم اللہ'' کے بارے میں کہ یہ ہر سورۃ کی ابتداء میں ایک آیت ہے یا نہیں اور کیا بسم اللہ کو نماز میں جہراً پڑھا جائے گا یا نہیں فقہاء کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد متصلاً لکھتے ہیں۔

ویستحب للرجل ان یقصد الی تالیف القلوب بترك هذه المستحبات لان مصلحة التالیف فی الدین اعظم من مصلحة فعل مثل هذا، کما ترك النبی صلی اللّٰه علیه وسلم تغییر بناء البیت لما فی ابقائه من تالیف القلوب، الخ، ج:۲۲، ص:۴۰۷

آدمی کے لیے پسندیدہ یہ ہے کہ وہ ان مستحبات کے مقابلہ میں (باہم مسلمانوں میں) تالیف قلب کا لحاظ کرے کیونکہ دین میں تالیف قلب کی مصلحت ان مستحبات پر عمل کی مصلحت سے عظیم تر ہے، جیسا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے خانہ کعبہ کی عمارت میں تغیر کو تالیف قلب کی بناء پر (اس تغیر کو پسند کرنے کے باوجود) ترک کردیا۔

مگر علماء وصلحاء کی اس محبوب ومطلوب راہ اعتدال کو چھوڑ کر عصر حاضر کے اہل ظواہر مجتہدین مسئلہ رفع یدین اور اسی نوع کے دیگر اجتہادی مسائل میں اپنے مختارات اور پسندیدہ مسائل کی تبلیغ وتشہیر اس جارحانہ انداز سے کررہے ہیں کہ نہ تو ائمہ دین کے علمی ودینی مقام ومرتبہ کا انھیں پاس ولحاظ ہے اور نہ ہی جماعت مسلمین کی اسلامی اخوت اور دینی وحدت کی ادنیٰ فکر ہے۔

ان کے اس بیجا رویہ سے خود مسلمانوں میں باہم بحث وتکرار کا بازار گرم ہے اور عام مجالس کا تو ذکر کیا۔ مساجد تک فساد وجدال کا مرکز بنتی جارہی ہیں، جس سے نہ صرف معاندین اسلام کو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں زبان طعن دراز کرنے کا موقع مل رہا ہے بلکہ خود مسلمانوں کے ایک طبقہ میں سلف صالحین وائمہ مجتہدین سے بے اعتمادی اور دین وشریعت سے بیزاری کا رجحان پیدا ہورہا ہے اور بالخصوص برصغیر میں فقہائے احناف کی تفسیر، نصوص وتشریحات کے مطابق شرعی احکام ومسائل پر عمل پیرا عوام اپنے طریقہ عمل کے بارے میں خواہ مخواہ تردد وتذبذب کے شکار ہورہے ہیں۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی مجلسوں ہی میں نہیں بلکہ عام اجتماعات اور اخبار ورسائل کے ذریعہ بیجا طور پر یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ علمائے دیوبند ان مسائل کو مورد بحث بنا کر مسلمانوں میں افتراق وانتشار پیدا کررہے ہیں فالی اللّٰہ المشتکیٰ.

---

**نوٹ**: رسالہ پریس کو جارہا تھا کہ یہ اندوہناک وکرب انگیز خبر ملی کہ دارالعلوم دیوبند کے ہر دل عزیز مہتمم اور قافلۂ اہل حق کے میر کارواں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اپنے آبائی وطن بجنور میں یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ یوم چہارشنبہ کو رحلت فرما گئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. اللّٰھم اغفرلہ، وارحمہ، واکرم نزلہ، ووسع مدخلہ، وانزل علی روحہ وجسدہ وتربتہ شآبیب رحمتك ورضوانك، واجعلہ من عبادك المقربین، آمین یا ارحم الراحمین.

انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں حضرت رحمہ اللہ کے تفصیلی حالات، ان کے کریمانہ اوصاف، اور بیش بہا خدمات کا تذکرہ پیش کیا جائے گا۔

دوسری قسط

# برصغیر ہند میں دینی نظام تعلیم کے مجدد متکلم اسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور خلافت عثمانیہ ترکی

از: مولانا سید ارشد مدنی صاحب

## حضرت مولانا کی تصانیف ومکتوبات

جیسا کہ میں نے عرض کیا، حضرت مولانا کے علوم اور تحقیقات وتحریرات کا دائرہ، خاصا وسیع اور مختلف موضوعات ومضامین پر مشتمل ہے، اگرچہ حضرت مولانا کی تصانیف شمار میں بہت زیادہ نہیں ہیں، مگر جس قدر بھی ہیں ان میں سے ہر ایک دریا بکوزہ کی عمدہ مثال ہے۔ یہ کتابیں زیادہ تر اردو میں ہیں لیکن چند فارسی میں بھی ہیں، یہاں ان کے مفصل تعارف کا موقع نہیں، لیکن ان کے نام اور موضوعات کا مختصر تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔ تصانیف یہ ہیں:

| نمبر شمار | موضوع | نام کتاب | مطبع ومقام طباعت | سنہ طباعت |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | قرآن مجید اور علوم القرآن | تصحیح قرآن شریف [برائے طباعت] | مطبع مجتبائی میرٹھ | ۱۲۸۱ھ |
| ۲ | قرآن مجید اور علوم القرآن | تصحیح حمائل شریف مع موضح قرآن | مطبع مجتبائی میرٹھ | |
| ۳ | قرآن مجید اور علوم القرآن | اسرار قرآنی | گلزار احمدی، مرآباد | ۱۳۰۴ھ |
| ۴ | حدیث اور متعلقات حدیث | بخاری شریف، شرکت در تصحیح حواشی حضرت مولانا احمد علی محدث، سہارنپوری | مطبع سید الاخبار، دہلی ومطبع احمدی، دہلی | ۱۲۶۴ھ ۱۲۷۰ھ |
| ۵ | حدیث اور متعلقات حدیث | رسالہ تقریر حدیث: فضل العالم کفضلی علی أدناکم | | بلاسنہ |
| ۶ | فقہ واسرار شریعت | احکام الجمعۃ | رام پریس، میرٹھ | ۱۳۴۲ھ |
| ۷ | فقہ واسرار شریعت | اسرار الطہارۃ | مطبع قاسمی، دیوبند | بلاسنہ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۸ | عقائدوکلام | تحذیرالناس | مطبع صدیقی، بریلی | تقریباً۱۲۹۱ھ |
| ۹ | // // | حجۃ الاسلام | مطبع احمدی، علی گڈھ | ۱۳۰۰ھ |
| ۱۰ | // // | گفتگوئے مذہبی | مطبع ضیائی، میرٹھ | ۱۲۹۳ھ |
| ۱۱ | // // | مناظرہ عجیبہ | گلزار ابراہیم، مرادآباد | بلاسنہ |
| ۱۲ | غیرمقلدین کے نظریات ودلائل کی تردید | الاجوبة الكاملة فی الأسولة الخاملة | مطبع مجتبائی، دہلی | ۱۳۲۲ھ |
| ۱۳ | غیرمقلدین کے نظریات ودلائل کی تردید | الدليل المحكم على قرأة الفاتحة للمؤتم | گلزار احمدی، مرادآباد | ۱۳۰۲ھ |
| ۱۴ | غیرمقلدین کے نظریات ودلائل کی تردید | توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام | مطبع ہاشمی، میرٹھ | ۱۳۰۲ھ |
| ۱۵ | غیرمقلدین کے نظریات ودلائل کی تردید | حق الصریح فی اثبات التراویح | مطبع عین الاخبار، مرادآباد | بلاسنہ |
| ۱۶ | غیرمقلدین کے نظریات ودلائل کی تردید | مصباح التراویح | مطبع ضیائی، میرٹھ | ۱۲۹۰ھ |
| ۱۷ | شیعیت کے جواب میں | اجوبۂ اربعین | مطبع ضیائی، میرٹھ | ۱۲۹۱ھ |
| ۱۸ | شیعیت کے جواب میں | ہدیۃ الشیعۃ | مطبع ہاشمی، میرٹھ | ۱۲۸۴ھ |
| ۱۹ | شیعیت کے جواب میں | انتباہ المومنین | مطبع احمدی، میرٹھ | ۱۲۸۴ھ |
| ۲۰ | عیسائیت کی حقیقت | تقریردل پذیر | مطبع احمدی، دہلی | ۱۲۹۹ھ |
| ۲۱ | عیسائیت کی حقیقت | مباحثہ شاہجہاں پور | مطبع احمدی، دہلی | ۱۲۹۹ھ |
| ۲۲ | ہندوؤں کے اسلام پر اعتراضات کے جواب | آب حیات | مطبع مجتبائی، دہلی | ۱۲۹۸ھ |
| ۲۳ | // // | انتصارالاسلام | اکمل المطابع، دہلی | ۱۲۹۸ھ |
| ۲۴ | // // | تحفۂ لحمیہ | مطبع صدیقی، بریلی | بلاسنہ |
| ۲۵ | // // | جواب ترکی بہ ترکی | مطبع ہاشمی، میرٹھ | ۱۲۹۶ھ |
| ۲۶ | // // | قبلہ نما | اکمل المطابع، دہلی | ۱۲۹۸ھ |
| ۲۷ | شعروادب | قصائد قاسمی | مطبع مجتبائی، دہلی | ۱۳۰۹ھ |
| ۲۸ | فلسفہ | تقریرابطال جزولایتجزی | مطبع مجتبائی، دہلی | بلاسنہ |
| ۲۹ | عقلیت پسندوں کا جواب | تصفیۃ العقائد | مطبع ضیائی یاہاشمی میرٹھ | ۱۲۹۸ھ |
| ۳۰ | مکتوبات | قاسم العلوم | مطبع مجتبائی، دہلی | ۱۲۹۲ھ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۳۱ | | لطائف قاسمیہ | // // | ۱۳۰۹ھ |
| ۳۲ | | جمال قاسمی | // // | ۱۳۰۹ھ |
| ۳۳ | | فرائد قاسمیہ | ادارہ ادبیات، دہلی | ۱۴۰۰ھ |
| ۳۴ | | فیوض قاسمیہ | مطبع ہاشمی، میرٹھ | ۱۳۰۴ھ |

## خلافت اسلامیہ ترکی اور خلیفۃ المسلمین سے گہرا تعلق

خلیفۃ المسلمین اور بابِ عالی ترکی سے، ہندوستانی مسلمانوں کے عوام وخواص کی مغل دور حکومت سے گہری وابستگی اور خلافت اسلامیہ سے اپنی نیازمندی کا اظہار، ہندوستانی مسلمانوں کے احوال وتاریخ سے واقف اصحاب پر مخفی نہیں۔ باب عالی نے بھی ہندوستان کے جلیل القدر علماء کی قدردانی اور عزت افزائی میں کمی نہیں کی، خصوصاً آخری دور میں جب عالم اسلام پر مغرب کی یلغار ہوئی، اور مغربی طاقتوں نے ترکی حکومت کے اقتدار اعلیٰ کو نقصان پہنچانے اور اس کی سرحدوں میں مداخلت شروع کی، اس وقت ہندی مسلمانوں پر عجیب اضطرابی کیفیت طاری تھی۔ وہ کسی بھی طرح سلطان ترکی کی مدد کرنا چاہتے تھے اور خلافت اسلامیہ کو درپیش خطرات اور فوجوں سے مقابلہ کے لئے، اپنی ہر طرح کی جانی مالی قربانی پیش کرنے کی آرزو رکھتے تھے، ایسے موقعے کئی مرتبہ پیش آئے، ہر مرتبہ مسلمانوں کا اجتماعی تأثر اور ردعمل یہی ہوا۔

ایسا ہی ایک نازک موقع اس وقت سامنے آگیا تھا، جب ۱۸۷۴ء (۱۲۹۴ھ) میں روس نے ترکی پر حملہ شروع کردیا تھا اور بلقان کے علاقہ میں، پُرزور جنگ شروع ہوگئی تھی، اور خلافت عثمانیہ کے کئی علاقے اس کے قبضہ سے نکل کر، روس کے ہاتھ میں چلے گئے تھے۔

بلقان کی جنگ روس کی ترکی کے ساتھ، اپنے معاہدوں کی صاف خلاف ورزی کرکے، ترکی کے علاقوں پر حملہ اور فوج کشی سے شروع ہوئی تھی۔

روس کی حکومت سے خلافت ترکی کا سنہ ۱۸۵۶ء (رجب ۱۲۷۳ھ) میں پیرس میں، معاہدہ امن ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے حکومت ترکی روس کی طرف سے کسی لڑائی سے مطمئن تھی، مگر روس کی حکومت نے کھلی معاہدہ شکنی کی اور سنہ ۱۸۷۴ء (۱۲۹۴ھ) میں خلافت عثمانیہ کی ریاستوں پر، اچانک حملہ کردیا، چونکہ حکومت ترکی اپنے معاہدہ کی وجہ سے روس کی طرف سے مطمئن تھی اور یہ حملہ نہایت بے خبری میں ہوا تھا، اس لئے ترکی حکومت کا نقصان ہوا، اور اس کے کئی علاقے ایک

کے بعد ایک، اس کے ہاتھ سے نکلتے چلے گئے۔

یہ حادثہ اور نقصانات ایسے نہیں تھے کہ ہندوستانی مسلمان اس سے بے خبر رہتے، اور متاثر نہ ہوتے، جیسے ہی یہ خبر ہندوستان پہنچی، تمام مسلمان اور خصوصاً علمائے کرام وہ علماء جو ملّی درد رکھتے تھے، خصوصاً مدرسہ دیوبند کے بانیان کرام اور علماء پر، اس کا غیر معمولی اثر ہوا، ان حضرات نے حکومت ترکی کے تعاون کے لئے، کئی منصوبے بنائے جس میں سب سے پہلے مالی تعاون کی فکر تھی۔ اس کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نے کوشش فرمائی، لشکر عثمانی کے زخمیوں کیلئے، چار ہزار روپئے چندہ کرکے روانہ کئے، یہ رقم کئی قسطوں میں بمبئی میں مقیم دولت عثمانیہ کے قونصلر جنرل (Counsellor General) حسین حسیب آفندی صاحب کو بھجوائی گئی، قونصلر جنرل صاحب نے اس کی رسید بھجوائی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور علمائے کرام کو شکریہ کا مفصل خط لکھا، جس کے الفاظ یہ تھے:

جناب فضل مآب حاجی محمد عابد صاحب، وجناب مولوی محمد یعقوب صاحب، ومولوی محمد قاسم، ومولوی محمد رفیع الدین صاحب۔ مہتممان مدرسہ عربی دیوبند سلّمہٗ اللہ تعالیٰ!

بعد سلام مسنون الاسلام! موضوح باد کہ مکتوب بہجت اسلوب آں حضرات مع مبلغ ایک ہزار دوصد روپیہ نوٹ بنگالی، کہ بمرادارسال آں بہ باب عالی برائے مجروحین وایتام داراہل عساکرہ منصورہ صرف شود، مرسول بود، موصول گردید۔

حقیقتاً مساعی جمیلہ آں حضرات کہ بمقتضائے حمیت دینیہ بظہور آمدہ، مستحق ممنونیت مشکوریت ہست، وبحول اللہ تعالیٰ مبلغ مذکور حسب خواہش بہ باب عالی تبلیغ میکنم، ورسیدی کہ ازآں جامی رسد، درعقب موصول آں حضرات خواہد شد، ودر جوائب ہم نشر خواہد گردید۔ وہم چنیں ہر مبلغے کہ حسب تحریر ایشاں رسیدہ باشد، انشاء اللہ تعالیٰ مع الافتخار در تبلیغ آں دریغ نخواہد وداد۔ زیادہ والسلام!

مورخہ ۱۰ر محرم الحرام ۱۲۹۴ھ

حسین حسیب

سرشہبندر، دولت عثمانیہ علیہ۔ در بمبئی

حسین حبیب آفندی کو دوسری مرتبہ رقم پہنچی، تو انھوں نے ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا:

جناب فضائل مآب مولوی محمد قاسم صاحب، ومولوی محمد یعقوب صاحب، ومولوی

محمد رفیع الدین صاحب ومحمد عابد صاحب
مہتممان مدرسہ عربی دیوبند، سلمہم اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون الاسلام! مشہود باد کہ مبلغ دوصد روپیہ بابت اعانت عسا کر، قسط دوم کہ ارسال فرمودند موصول گردید، وروانہ کردہ شد، خاطر شریف جمع دارند۔ وانچہ از اظہار مہربانی ہا کہ بہ نسبت من فرمودہ اند، گویا بلسان حال من اظہار بزرگی وشرف خود فرمودہ اند، ایزد تعالیٰ توفیق خیر مزید گرداند۔ والسلام

سر شہبندر، دولت علیہ عثمانیہ در بمبئی
۱۶ر صفر الخیر ۱۲۹۴ھ

اس کے بعد حضرت مولانا، موقع بہ موقع، رقومات اکٹھی کر کے، بمبئی عثمانی قونصل خانہ بھیجتے رہے، اور وہاں سے رسیدیں اور شکریہ کے خطوط موصول ہوتے رہے،(۱) اس طرح کے کئی اور خطوط بھی معلوم ہیں، مثلاً:

مکتوب: [۱۵ر جمادی الاول ۱۲۹۴ھ ]
مکتوب: یکم جمادی الاخری ۱۲۹۴ھ [۱۳ر جون ۱۸۷۷ء ]
مکتوب: ۱۳ر جون ۱۸۷۷ء مکرر
مکتوب: ۲ر رجب ۱۲۹۴ھ [ ]
مکتوب: ۳ر رجب ۱۲۹۴ھ [ ]

ان رقومات کے ملنے کی باب عالی سے بھی اطلاعات آئیں، آخر میں خلافت عثمانیہ کے وزیر اعظم ابراہیم ادہم کا ذاتی خط موصول ہوا، جس میں حضرت مولانا، ان کے رفقاء اور معاونین وچندہ دینے والوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا خط یہاں نقل کر دیا جائے، تحریر فرماتے ہیں:

## وزیر اعظم خلافت عثمانیہ کا شکریہ کا خط

واضح ہو کہ دفتر خاص باب عالی، شاہنشاہ ظل الٰہی سلطان دوم خلد اللہ ملکہ سے بھی رسیدات آئیں، چوں کہ وہ زبان ترکی میں ہیں، ان کا تلفظ اور تفہم دشوار ہے، اس لئے انہیں نقل نہیں کیا۔ مگر شکریہ وزیر اعظم سلطنت روم، باب عالی سے بعبارت فارسی عزورود دلایا، اور باعث افتخار ہندوستان ہے۔ نقل کرتے ہیں:

شکریہ از جانب

**دستور معظم، صدر اعظم، جناب ابراہیم ادہم صاحب بہادر لازال ظل کرمہ**

جناب مدرسان مدرسہ دیوبند، ضلع سہارنپور۔ فضیلت مآبان صاحب۔

اعانت نقدیہ بجہت اولاد وعیال عساکر شاہانہ، کہ در جنگ سربستان شربت شہادت نوشیدہ بودند، پیش ازیں فراہم آوردہ ارسال فرمودہ بودید، بتمامی واصل گردید۔ برائے توزیع آں باب استحقاق بانجمن مخصوص تسلیم نمودہ شد، وازیں ہمت فتوت مندانہ کہ مجرد از غیرت دینیہ وحمیت اسلامیہ شما بوقوع آمدہ است، ہمہ وکلائے دولت علیہ عثمانیہ فرحناک گشتہ، وعلی الخصوص بدرجۂ کمال ہادی خوشنودیت ایں مخلص بے ریا گردیدہ است۔

مبلغ مرسول علاوہ برآنکہ باضطراب محتاجین تخفیفے بہم رسانیدہ، کسانیکہ ازیں اعانت حصہ دار شدند بملاحظہ آنکہ درممالک بعید وہندوستان برادران دینی ہستند کہ برحال پرملال بچشم تاسف نگاہ می کنند، وبرزخم ہائے کہ از دشمنان دین خوردہ ایم، مرہم تسلیت می نہند، اظہار مزید شکرانیت کردند واشک رقت ریختہ حصہ خود شانرا گرفتند، بنابریں از جناب رب مستعان کہ نصیر وظہیر یگانہ گویان است، التماس آں دارم کہ سعی جمیل شما عنداللہ مشکور گشتہ، دردنیا وعقبیٰ مظہر اجر جزیل باشید۔ والسلام

۹/ جمادی الاول ۱۲۹۴ھ

عن دارالخلافۃ العلیۃ العثمانیہ (۲)

وزیر اعظم ابراہیم ادہم

حضرت مولانا قاسم اور ان کے رفیق علماء نے اس وقت وزیر اعظم حکومت عثمانیہ [ابراہیم ادہم] کے خط کا جو مفصل جواب لکھا تھا اور اظہار ممنونیت کیا تھا، اس کی سطر سطر سے علماء ہند، خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسم اور ان کے ہم نوا علماء کی عثمانی حکومت اور خلافت اسلامیہ سے گہری محبت وانسیت کا اظہار ہوتا ہے، یہ خط مفصل ہے اس لئے یہاں اس کا ایک اقتباس پیش ہے اسی سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم اور ہندوستان کے عام مسلمانوں کی نگاہوں میں خلافت اسلامیہ کا کیا بلند مرتبہ ہے اور وہ اس سے کس قدر گہری وابستگی رکھتے تھے، حضرت مولانا نے لکھا تھا:

روز جمعہ پانزدہم رجب ۱۲۹۴ ہجری علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ سلام، فرمان والا شان کہ ہمچو نامہ اعمال اصحاب الیمن، تسلی بخش دل ہائے اندوہ گیں بود، نزول

اجلال بسر وچشم ذلیلان پراگندہ حال فرمودہ۔ ذرہائے بے مقدار را از خاک ذلت بآسمان عزت رسانید، وخاک نشینان تیرہ بخت را رشک خورشید جہاں تاب گردانید۔ شکر ایں منت علیار، از زبان از کجا آریم کہ اول متاع قلیل ہماں، یگان ذلیل را زیر نگاہ قبول جا داند، وسپاس ایں عنایت عظمیٰ چگونہ گزاریم، کہ باز بار سال فرمان جلیل متضمن قبول آنمایہ قلیل، افتادگان خاک ذلت را بر چرخ نشاندند:

زقدر وشوکت سلطان نگشت چیزے کم کلاہ گوشۂ دہقان بآسمان رسید

(مسرت) عید بایں روز مبارک نرسد، کہ طراز رشک ہلال نور افزائی دل ودیدہ ہندیان خوار گردید، وبخت ہمایوں بایں طالع نکو پہلو نزند، کہ ہمارے اوجِ سعادت بال بسر بے سروسامان زار ونزار کشید:

در ہر ذرہ آفتاب آمد بحر در خانہ حباب آمد
گرد بودیم رشک نور شدیم بر در قرب زرہ دور شدیم؟
قطرۂ زار شد در نایاب ذرہ خوار شد خور ومہتاب

افسوس نہ خزانہ قارون است کہ بریں سرفراز نامہ نثار سازیم، ونہ بخت ہمایوں است، تا بمدش بجائے جان در سینہ نہیم، واز جان پردازیم۔ از بے خبری قطرہ بدریا سپردیم، مگر زہے عنایت کہ ہمچو دریا باغوش کشیدند، واز بے عقلی ذرہ پیش آفتاب برویم، مگر زہے کرم کہ بنور نظر عنایت رشک ماہ وکواکب گردانیدند۔

## جنگ بلقان کیلئے حضرت مولانا محمد قاسم اوران کے رفقار کا سفر حجاز

حضرت مولانا محمد قاسم اوران کے اصحاب کو خلافت عثمانیہ سے جو وابستگی تھی، اس کا حق اور تقاضا تھا کہ خلافت سے وابستگی اور دینی ملّی درد رکھنے والے اصحاب چندہ مالی اور تعاون سے آگے بڑھ کر کوئی اقدام کریں، علمائے دیوبند اور حضرت مولانا محمد قاسم اس میں بھی پیچھے نہیں رہے، جب جنگ کی خبریں کثرت سے آتی رہیں، تو ان حضرات نے یہ فیصلہ کیا کہ ہمیں خود جا کر دیکھنا ہے اور اگر ضرورت ہو تو، جہاد میں عثمانیہ لشکر کے ساتھ شریک ہونا ہے۔

اس مقصد کے لئے سب سے پہلے سفر حج [حجاز] کا ارادہ کیا گیا، اس کارواں میں جو اس مقصد کے لئے تیار ہوا تھا، علمائے کبار کی ایک بڑی جماعت شامل تھی، جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اوران کے رفیق ومعاون، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی بھی شریک تھے، اس سفر کا

پورے ملک میں چرچا ہوگیا تھا اور عام طور پر یہی سمجھا جارہا تھا کہ یہ حضرات سفر حج کے پردہ میں، بلقان کی جنگ میں شرکت اور سلطان ترکی کی مدد کے لئے جارہے ہیں، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے لکھا ہے:

''عام اہل اسلام نے جب دیکھا کہ دفعتہً خلاصۂ ہندوستان بجانب حجاز جارہا ہے (اس لئے) جس سے بھی ہوسکا، وہ معیت وہمرکابی کے لئے تیار ہوگیا۔ اس لئے کہ بطور خود لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا، کہ یہ حضرات دینی معاونت کے لئے بحیلۂ سفر حجاز، حقیقت میں ملک روم کا سفر کررہے ہیں۔ ترکی سلطنت کی طرف سے والنٹیر جماعت میں شامل ہوکر، مجاہد فی سبیل اللہ بنیں گے اور جس کے نصیب میں مقدر ہے، جام شہادت پی کر حیات ابدی حاصل کرے گا'' (۳)

حضرت مولانا محمد قاسم کے ایک بڑے شاگرد اور علمی عملی جانشین [شیخ الہند مولانا محمود حسن کے شاگرد اور سوانح نگار] مولانا سید اصغر حسین صاحب نے بھی تقریباً یہی ظاہر کیا ہے کہ:

''۱۲۹۴ھ میں بھی جب علمائے ہندوستان کا مشہور قافلہ جنگ روم وروس کے زمانہ میں روانہ ہوا، تو لوگوں نے خود بہ خود ایسی ہی توجیہات شروع کردی تھیں'' (۴)

ابھی یہ حضرات مکہ مکرمہ میں تھے کہ پلونا پر روس کے قبضہ کی خبر پہنچی، جس سے سب کو بہت افسوس ہوا، مگر مکہ مکرمہ میں اخبارات کا سلسلہ بند تھا، اس خبر کی تصدیق باقی تھی اس لئے حضرت حاجی امداد اللہ کی ہدایت ومشورہ کے مطابق، مجبوراً واپسی کا ارادہ کرلیا۔ بہ ظاہر ان حضرات کے سفر کی صورت نہیں ہوئی اگر ہوتی تو یہ حضرات مکہ مکرمہ سے ترکی جاتے اور وہاں سے محاذ جنگ [بلقان] پہنچنے کی کوشش فرماتے۔

## سلطان عبدالحمید خاں کی شان میں مولانا محمد قاسم کا قصیدہ

حضرت مولانا محمد قاسم کی خلافت عثمانیہ سے محبت وارادت مندی کی ایک بڑا مظہر، حضرت مولانا کا ایک قصیدہ ہے، جو اس وقت لکھا گیا تھا جب بلقان کی جنگ ہورہی تھی اور یہ سب علماء ترکی حکومت کے لئے مالی تعاون اور رقوم کی فراہمی میں دل وجان سے مشغول تھے۔

یہ قصیدہ حضرت مولانا اور ہندی مسلمانوں کی خلافت عثمانیہ سے وابستگی کی ایک علامت، اور ایک بڑا خراج تحسین اور اظہار نیازمندی بھی ہے۔ کہنا چاہئے کہ حضرت مولانا کے الفاظ میں پوری قوم کے جذبات جھلک رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

# قصيدة الإمام محمد قاسم النانوتويؒ

## فى مديح السلطان عبد الحميد خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نفسى وما بيدى فدى لجمالكم ... إن متُّ دونكم فمن لدلالكم

أنسيتم أيام حسن خصالكم ... أيام كان حياتنا بوصالكم

إذا أنت دون النفس وهى بعيدة ... متنا مرارًا بالسرور هنالكم

أيام تغنون العيون من الذُّكا ... وتراودن الطرف مذ إظلالكم

شوقى يسوق إليكم ثم يعوقنى ... عذلُ العواذل واحتمالُ ملالكم

ما فى غير الاسم إلا أننى ... لأسير سيرَ الظل خلف جمالكم

صرنا كآثار الخطى أو دوننا ... أفما بلغنا منتهىٰ آمالكم

صرنا كآثار الخطى وهم لو ... لم نرض إلى منتهٰى آمالكم

قتلتنا قتل العدو فقل لنا ... هذا دلال أم جزاء خلالكم

مذ غبتَ عن عينىّ طالت ليلتى ... أم أظلم الأيام دون جمالكم

فسواد ظلك فاق أنوار اكما ... عكس الذُّكاء يُرىٰ كدورة خالكم

هذا الجمال ولا جمال يفوقه ... عبد الحميد أظن فى تمثالكم

سِرُّ الكرام البيض وابن صميمهم ... وسلالة الأشراف زبدة آمالكم

لو كنت فيه بمسمع أو منظر ... لعرضت يامن شاع صيت نوالكم

الناس أطوار ولكن أين ما ... بجمالكم وجلالكم وكمالكم

لاتسلون وقد فننت بهجركم ... أفما فرغتم بعدُ من إدلالكم

دعنا نموت تحسّراً فإلى متىٰ ... إدلالكم والخبر عن إقبالكم

للّٰه دركم بنى عثمان لو ... هذا دليل جمالكم وحلالكم

شمس الضحىٰ بحر الندىٰ أسد الوغى ... لا فضل إلا وهو فى أفضالكم

قد غرّ طاغوت النصارى حلمكم ... ومكارم الإخلاق دون نزالكم

لولاه ما طمع النصارى فيكم ... فأروا بسالتكم وحد نضالكم

فسيندمون ولات حين ندانة ... إذ قد تبدى ناجذا أهوالكم

ربما سبقتُم موتهم فلو أنهم ماتوا فما يغنى من استقبالكم
الخيل خيلكم اعزن وما استوىٰ نقع أثارتها إلى أذيالكم
فاتت حقول جنودهم فرسانكم فوت المحال عقولكم ومثالكم
طارت إليهم خيلكم فعقولهم طارت كمثل المال من أفضالكم
قد أوقدوا نار الوغىٰ حتى إذا حمى الوطيس ولا برق نِضالكم
برود كما قتلوا بها فاستدفؤوا بالنار ام هانت بجنب نكالكم
لا يهربون من المنايا إن اتت وإذا اتيتم أدبروا كنبالكم
لجاؤا إلى النيران لما عاينوا بأساً شديداً من وراء نضالكم
خذهم أمير المؤمنين فإنهم بدأوا وقد غدرو اعلٰى إمهالكم
فإلى متى هذا التلطف والأسىٰ وإلى متى اصلاحهم بمقالكم
يا خادم الحرمين حامى ملة بيضاء فوق وجوهكم وبخالكم
قو أعزة الحرمين شر جماعة ليس مذل لهم سرى أبطالكم
قر أعزة الدين القويم وأهله بالهمة العليا كذِرْوَةِ خالكم
هذا أوان قيامكم بدفاعهم لازال عزتكم وعزة آلكم
اللّٰه ناصركم فبدد جمعهم شرد بهم من خلفهم لقتالهم
لولا مهالك فى مهالك دونكم من دونها أخرىٰ وهن كذالكم
وموانع وعلائق وعوائق عاقت منى عرض المنى بحيالكم
لرايتنا ونحورنا كسيوفكم من دون نحركم عصمة لآثالكم
نعدو إليهم موجعين نقول يا أعداء أنفسكم عداة عيالكم
إن كان بغيتكم ببغيكم العلى فرما حنا تعلى رؤس رجالكم
تعصون من طاعت منا ياكم له وتماطلون معجلى آجالكم
هو رأسكم وبه البقا ان يعتزل فالموت أدنى من شراك نعالكم
شمس وما شمس فهل من مظلم هاتوا بظلمة غيكم وضلالكم
إياكم وجنوده فسيوفهم خطافة الأرواح من أمثالكم
يا حبذا عبدالكريم أميرهم قد قطع الاسباب قطع حبالكم
ففررتم عن أمهاتكم وعن أبنائكم وعن ذوات حجالكم

فيكاد يرى سيفه الأشكال من | أجسامكم واللون أشكالكم
جبل اذا زاحمتم، برق إذا | أجفلتم، سيلٌ لدن استقلالكم
برق وما برق فهل من دافع | ليدك أرضكم وضم جبالكم
ليث وما ليث أوانَ قتالكم | غيث و ما غيث لدى إمحالكم
قسم السيوف بأن قوائمها لهم | وصدورها لكم إلى أجفالكم
عبدالكريم ابن الكريم ابوالكريم | قاتل الكرماء من إقبالكم
أسرد الضرب انتهوا خيرالكم | لاترجعون صلاحكم بخبالكم
أفلا ترون مصائبا ترب الردىٰ | احللن أهو إلا محل غلالكم
لا رأس فيه حجىٰ ولا قلب به | صبر فهل سلبا مع أموالكم
هذى دياركم فلا داع ولا | فيها مجيب دعائكم وسؤالكم
قد اظلمت كوجوهكم وحظوظكم | هل سودتها ظلمة من بالكم
أم طال ليلتكم فذاك ظلامها | أم أظلمت أيامكم بفعالكم
أم آن شدكم الرحال إلى لظىٰ | فاللّٰه أخرها لشدّ رحالكم
لى لا تضلوا عن طريق جهنم | لضلالكم وظلام سوء مآلكم
بِى أظلمت من دون ظل اللّٰه من | فى ظله نور الهدى لمنالكم
اللّٰه ينصره ويخذلكم به | ويزيد فى العز من إذلالكم(۵)

**وفات:** حضرت سفرحج کے بعد سے برابر بیمار چلے آرہے تھے، مگر سخت بیماری اورضعف کے باوجود، دینی خدمات کا تسلسل جاری تھا، بیماری اور سخت کھانسی میں، ایک مشہور ہندو مبلغ اور پیشوا، سوامی دیانند سرسوتی کے اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کو علی الاعلان چیلنج کرنے کی وجہ سے دیوبند سے سفر کرکے رڑکی گئے، سوامی دیانند کے اعتراضات کے جواب دیئے، اور ان پر دو کتابیں تحریر کیں۔ بیماری میں سفراور محنت کی وجہ سے مرض بڑھتا چلاگیا، دوتین دن بہت نازک کیفیت رہی، اس میں ۴؍جمادی الاول ۱۲۹۷ھ پنجشنبہ [۱۵؍اپریل ۱۸۸۰ء ] کو دیوبند میں وفات ہوئی، وہیں دفن کیئے گئے۔(۶)

❁ ❁ ❁

**حواشی:**

(۱) ان عطیات ورقومات کی تفصیل، خلافت ترکی کے سرکاری ترجمان، روزنامہ الجوائب میں چھپتی رہی جس کا حسین حسیب صاحب، قونصلر کے خطوط میں بھی اشارہ ہے اوران تمام رقوم کی مفصل روداد، ترکی کی قونصل خانہ نے کتابی صورت میں بھی شائع

کی تھی، جس پر ''دفتر اعانت ہندیہ'' چھپا ہوا ہے۔

(۲) یہ تمام تفصیلات اور متعلقہ خطوط، تفصیل ''روداد چندہ بلقان'' کے نام سے اسی وقت مطبع ہاشمی میرٹھ، سے ۱۲۹۴ھ میں چھپ گئی تھی، اس کا نسخہ موجود ہے۔

(۳) تذکرۃ الرشید [عکس طبع اوّل، میرٹھ سہارنپور: ۱۹۷۷ء] (سوانح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) تالیف: مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔

(۴) حیات شیخ الہند تالیف: مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، ص: ۴۰ [مطبوعہ لاہور: ۱۹۷۷ء]

(۵) یہ قصیدہ قصائد قاسمیہ [جو حضرت مولانا محمد قاسم کے فارسی عربی کلام کا مجموعہ ہے] میں شامل ہے اور اس کی اصل، جو خود حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے قلم سے ہے [مفتی الٰہی بخش اکیڈمی] کاندھلہ ضلع مظفر نگر، یوپی میں محفوظ ہے مگر نہایت غلط چھپا ہے اور اس کی ترتیب بھی نسخہ مصنف کے مطابق نہیں ہے، [ص: ۱۹ تا ص: ۲۲ مطبوعہ عین الاخبار مراد آباد: بلا سنہ طباعت] اس لئے یہاں نسخہ مصنف پر اعتماد کیا گیا ہے ترتیب اسی کے مطابق ہے۔

یہاں یہ بات بھی ضروری اور قابل ذکر ہے کہ اسی مجموعہ میں سلطان عبدالحمید کی شان میں مولانا ذوالفقار علی دیوبندی [وفات: ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء] ہندوستان کے عربی زبان کے مایہ ناز ادیب، مصنف اور شاعر، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی [صدر مدرس دارالعلوم دیوبند] کا ایک قصیدہ بھی شامل ہے۔ ص: ۳۳ تا ۳۳۔

(۶) حضرت مولانا کے احوال وخدمات پر حضرت مولانا کے رفقاء اور شاگردوں نے کئی عمدہ کتابیں لکھیں، بعد میں کئی اور کتابیں چھپیں جن میں:

| | |
|---|---|
| ۱- احوال طیب مولانا محمد قاسم | از مولانا محمد یعقوب نانوتوی |
| ۲- سوانح قاسمی | مولانا مناظر احسن گیلانی (تین جلدیں) |
| ۳- قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی | تالیف: نورالحسن راشد کاندھلوی |
| ۴- الامام محمد قاسم النانوتوی، حیات وافکار، خدمات | [مجموعہ مقالات سیمینار حضرت مولانا محمد قاسم، دہلی] |

لائق مطالعہ واستفادہ ہیں۔

❁ ❁ ❁

# قرآن وحدیث کے تناظر میں حقوقِ انسانی کی تشریح

از: ابواللیث الحسنی کھگڑیاوی
دارجدید، دارالعلوم دیوبند

بعثت نبوی ﷺ کے وقت کے وہ خونچکاں حالات، جہاں جان ومال، عزت وآبرو ہر چیز خطرے میں تھی، اس کا تصور ذہن میں آتے ہی ایک روح فرسا کیفیت طاری ہوجاتی ہے، اخوت ومحبت، ہمدردی وغم گساری، نامانوس بلکہ ناپید تھی، معمولی معمولی سی باتوں پر جنگ چھڑ جاتی اور ایسی بھیانک شکل اختیار کرلیتی، جس کا تذکرہ تو کجا تصور سے ہی روح کانپ اٹھتی ہے، غرض ہر طرف ظلم وبربریت کا دور دورہ تھا، ایسے مہیب سائے میں فاران کی چوٹی سے ایک آفتاب عالمتاب نمودار ہوا جس کی ضیاء پاش کرنوں سے ایک نئی صبح کا آغاز ہوا، دم توڑتی اور جاں بلب انسانیت کو آبِ حیات ملا، اور انسانیت پہلی بار اپنے حقوق سے آشنا ہوئی۔

**حقوق انسانی کے معنی:** یہ دوکلموں سے مرکب ہے حقوق جو حق کی جمع ہے: وہ چیز جو ثابت ہو (کسی فرد یا جماعت کیلئے) انسانی: انسان کی طرف منسوب ہے، انسان کی تعریف وہ جاندار یعنی جسم وروح والا جو قادر الکلام ہو۔

**حقوق انسانی کا مفہوم:** انسان اس دنیا میں تنہا نہیں رہ سکتا، وہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر مجبور ہے، اپنی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل اور آفات ومصائب کے ازالہ کے سلسلہ میں دوسرے انسانوں کے تعاون کا محتاج ہے، اس قضیہ کے پیش نظر ہر انسان کا یہ عقلی وطبعی حق بنتا ہے کہ دوسرا اس کی مدد کرے، اس کے حقوق وفرائض کا لحاظ رکھے۔

**حقوق انسانی کی ارتقائی تاریخ کا مختصر جائزہ:** حقوق انسانی پر کتاب وسنت کی روشنی میں تفصیلی بحث کرنے سے قبل ان حقوق کی ارتقائی تاریخ کا مختصر جائزہ لینا بے محل نہ ہوگا تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے، اور آج کی مہذب دنیا (امریکہ) جو انسانی حقوق کی رٹ لگاتے نہیں تھکتا، یہ جان جائے کہ انسانی حقوق کے جس کھوکھلے تصور تک وہ اب پہنچا ہے اس سے کہیں زیادہ

جامع اور واضح تصور محمد عربی ﷺ نے آج سے چودہ سوسال قبل پیش کردیا تھا۔خطبۂ حجۃ الوداع کے اندر آپ ﷺ نے بڑی شدومد اور تاکید کے ساتھ حقوق انسانی ہی کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

حقوق انسانی کے شعور وارتقار کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک ندوی فاضل جناب مولانا سید احمد ومیض ندوی اپنے وقیع مضمون میں رقمطراز ہیں ''صنعتی انقلاب کے آغاز سے مغرب میں حقوق انسانی کا شعور پیدا ہوا کہ انسان کے بھی بحیثیت انسان ہونے کے چند فطری حقوق ہوتے ہیں جن سے کسی بھی فرد کو محروم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ انسانی حقوق کا شعور بیسویں صدی کے شروع میں نمودار ہوا اور انقلابِ فرانس کا اہم جزو قرار پایا، اس میں قوم کی حاکمیت، آزادی، مساوات اور ملکیت جیسی فطری حقوق وغیرہ کا اثبات کیا گیا تھا، تدریجاً حقوق انسانی کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا، اور اخیر میں حقوقِ انسانی کا عالمی منشور سامنے آیا، دسمبر ۱۹۴۶ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک ریزرویشن پاس کیا جس میں انسانوں کی نسل کشی کو ایک بین الاقوامی جرم قرار دیا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں نسل کشی کے انسداد کیلئے ایک قرارداد پاس کی گئی اور ۱۲؍جنوری ۱۹۸۱ء میں نفاذ ہوا۔

**حقیقی انسانی حقوق:** انسان کے بنیادی اور فطری حقوق کے تحت جن جن امور کو شامل کیا جاتا ہے ان میں حقوق اِنسانی کا جامع ترین تصور، انسانی مساوات کا حق، انسانی عزت وآبرو کی حفاظت، انسانی جان ومال اور جائداد کی حفاظت، مذہبی آزادی کا حق، آزادئ ضمیر کا حق ضروریات زندگی کا انتظام، انسانی حقوق میں فرد ومعاشرے کی رعایت، بچوں کے حقوق کی حفاظت، اسی طرح انسانوں کے معاشی وثقافتی اور تعلیمی حقوق نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

**حقوقِ انسانی کی صحیح تشریح:** سطور بالا میں دور حاضر کے انسانی حقوق کے ارتقار کا جو سرسری جائزہ لیا گیا ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مغرب میں حقوق انسانی کے تصور کی دو تین صدیوں قبل کوئی تاریخ نہیں ہے۔ جبکہ نبی پاک ﷺ نے آج سے چودہ سوسال پہلے ہی حقوق انسانی کا ایک جامع تصور انسانیت کے سامنے پیش کرکے بذاتِ خود اسے عملی جامہ پہنا کر ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کی۔

فاضل مضمون نگار مولانا ندوی حقوقِ انسانی کے اس مغربی منشور کی عدم تاثیر اور فرسودگی کے اسباب ومحرکات متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جن مغربی ممالک نے منشورحقوقِ انسانی کی داغ بیل ڈالی تھی، آج وہی ممالک حقوق انسانی کی خلاف ورزیوں میں پیش پیش نظر آتے ہیں، چنانچہ آئے دن ان ممالک میں جرائم پیشہ افراد کی شرح میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ مفکرین ومدبرین نے اس کے بہت سے اسباب متعین کیئے ہیں، لیکن حقوق انسانی پر ڈاکہ زنی کا بنیادی سبب ان انسانی حقوق کے نفاذ کیلئے کسی داخلی قوتِ نافذہ کا فقدان ہے، علاوہ ازیں مغرب کے حقوق انسانی کا فلسفہ صرف اس کے مفادات کے اردگرد گھومتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حقوقِ انسانی ایک نظریہ بن کر رہ گیا، جس کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوقِ انسانی کے صحیح نفاذ اوران کو عملی زندگی سے مربوط کرنے کے لیے فکرآخرت سے جوڑ دیا جس کے باعث بندوں کے اندر حقوقِ انسانی کی رعایت وحفاظت کی ایسی اسپرٹ پیدا ہوگئی کہ بندہ ازخود حقوق انسانی کا محافظ بن جاتا ہے۔

**حقوقِ انسانی کا جامع ترین تصور اسلام نے دیا:** مغرب نے حقوقِ انسانی کا جو تصور پیش کیا ہے وہ انتہائی ناقص اورفرسودہ ہے، اس کے اندر اتنی وسعت نہیں کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں کا احاطہ کرسکے اس کے باوجود مغرب حقوق انسانی کی رٹ لگائے تھکتا نہیں، لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مربوط نظام، انسانی حقوق کا پیش کیا وہ زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے، جن میں احترام انسانیت، بشری نفسیات ورجحانات اور انسان کے معاشرتی، تعلیمی، شہری، ملکی، ملی، ثقافتی، تمدنی اورمعاشی تقاضوں اورضروریات کا مکمل لحاظ کیا گیا ہے اورحقوق کی ادائیگی کو اسلام نے اتنی اہمیت دی ہے کہ اگرکسی شخص نے دنیا میں کسی کا حق ادا نہیں کیا تو آخرت میں اس کو ادا کرنا پڑے گا ورنہ سزا بھگتنی پڑے گی، حتیٰ کہ جانوروں کے آپسی ظلم وستم کا انتقام بھی لیا جائے گا۔ اللہ کے رسول نے فرمایا: حق والوں کو ان کے حقوق تمہیں ضرور بالضرور قیامت کے روز ادا کرنے پڑیں گے، حتیٰ کہ بے سنگھے بکرے کو سینگھ والی بکری سے بدلہ دیا جائے گا۔

**زکوٰۃ اورحقوق انسانی:** یہ ایک بدیہی امر ہے کہ ایک مخصوص طبقہ کے پاس مال ودولت کے منجمد رہنے سے کمزور طبقے بیروزگاری کے شکار ہوجاتے ہیں، اورانسانی معاشرہ کی ایک معتد بہ تعداد خط افلاس کے نیچے زندگی گذارنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔ اسلامی قوانین نے زکوٰۃ کو فرض قرار دے کر سالانہ آمدنی کا ڈھائی فیصد حصہ غریبوں کیلئے خاص کیا کہ دولت ایک ہاتھ میں سمٹ کر نہ رہ جائے، صدقہ وخیرات کی اہمیت اجاگر کرکے غرباء ومساکین کا بھرپور خیال رکھا، ارشاد ربانی ہے: وَفِیْ أَمْوَالِھِم حَقٌ لِلسَّائِلِ وَالمَحْرُومِ اوران کے مالوں میں غرباء ومساکین کا حق ہے۔

**اسلام میں انسانیت کی میزبانی:** اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر دنیا کی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ اعزاز بخشا، اس کے احترام واکرام کی تعلیم دی، اس کو خوبصورت سانچہ میں ڈھال کر اسے دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کیا، ارشاد ربانی ہے: ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے اور خشکی ودریا میں ان کو سواری دی، اور پاکیزہ چیزوں سے روزی دی اور ہم نے ان کو بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ہم نے آدمی کو اچھی شکل وصورت میں پیدا کیا ہے۔ تیسری جگہ فرمایا: اللہ نے تمہارے نفع کیلئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں۔ چوتھی جگہ یوں فرمایا: میں سب جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح اسلام نے انسانی حرمت وشرافت کی اتنی پاسداری کی کہ انسان کا احترام پس مرگ تک باقی رکھا، چنانچہ آپ کے زمانے میں ایک عورت کا جنازہ گذر رہا تھا، اللہ کے رسول کھڑے ہوگئے، صحابہ نے کہا: اللہ کے رسول! یہ تو یہودی ہے، اللہ کے رسول نے فرمایا أليستْ نفسًا: یعنی کیا وہ انسان نہیں؟ اسی طرح نبوت وشریعت کی دولت بھی صرف اور صرف انسان ہی کو عطا کیا گیا ہے، اسی طرح اسلام نے علوم وعقل اور خرد جیسی گرانقدر انعام سے نوازا، ارشاد ہے: اللہ کی تمام پیدا کردہ چیزوں میں عقل اللہ کے نزدیک سب سے باعزت ہے۔

**انسانی اخوت ومساوات:** محمد عربی ﷺ نے رنگ ونسل، قومیت ووطنیت، اور اونچ نیچ کے سارے امتیازات کا یکسر خاتمہ کرکے ایک عالمگیر مساوات کا آفاقی تصور پیش کیا، اور ببانگ دُہل یہ اعلان کردیا کہ سب انسان آدم کی اولاد ہیں، لہٰذا سب کا درجہ مساوی ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر سرکار دوعالم ﷺ نے اپنے تاریخی خطبہ میں جن بنیادی انسانی حقوق سے وصیت وہدایت فرمائی ان میں انسانی وحدت ومساوات کا مسئلہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے، ارشاد نبوی ہے: اے لوگو! یقیناً تمہارا پروردگار ایک ہے، تمہارے باپ بھی ایک ہیں، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے، یقیناً تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پاک باز ہو، کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری نہیں مگر تقویٰ کی بنا پر، اور فتح مکہ کے موقع پر ایک اہم خطبہ میں اسی طرح کا حکم ارشاد فرمایا۔ اسی طرح ارشاد ربانی ہے: لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا (یعنی اوّل) اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کرکے روئے زمین پر) پھیلا دیئے، دوسری جگہ ارشاد ہے: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک

دوسرے کو شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں سے قابل اکرام اور عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

**انسانی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت:** یہ انسانی حقوق میں سب سے پہلا اور بنیادی حق ہے اس لیے کہ جان سب سے قیمتی اثاثہ ہے، اس کے اردگرد زندگی کی سرگرمیاں گھومتی ہیں، محمد عربی ﷺ کی بعثت سے قبل انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی، سب سے پہلے محمد عربی ﷺ نے ان وحشی درندوں کو انسانی جان کا احترام سکھایا، اور ایک جان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا۔ قرآن پاک میں بھی اس کی تائید کی گئی چنانچہ ارشاد باری ہے: جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے، یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کا قتل کیا، اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔ اسی طرح ارشاد نبوی ہے: رحم کرنے والوں پر اللہ رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے: اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو انسانوں پر رحم نہ کرے۔ اور مال کے تحفظ کو یوں موکد کیا گیا ہے، ارشاد ربانی: اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، واضح رہے کہ انسانی زندگی کی بقاء کے لیے مال بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

جس طرح حق زندگی اور تحفظ مال، انسان کے بنیادی حقوق ہیں، اسی طرح عزت وآبرو کا تحفظ بھی انسان کا بنیادی حق ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ وہ اس سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ، اور ایک دوسرے کو برے نام سے مت پکارو۔

**تحفظ آزادی (شخصی ومذہبی):** اسلامی معاشرہ میں چونکہ ہر فرد کو مساوی حقوق حاصل ہیں کسی کا کسی پر بیجا دباؤ نہیں، ہر ایک آزاد اور خود مختار ہے اس لیے اسلام نے انسان کی شخصی آزادی کی بقاء کے لیے انسان کی نجی اور پرائیویٹ زندگی میں مداخلت سے دوسروں کو روکا ہے اور خواہ مخواہ کی دخل اندازی ٹوہ بازی اور بلا اجازت کسی کے گھر میں دخول سے منع کیا ہے۔ ارشاد حق ہے: مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں) کے گھروں میں گھر والوں سے اجازت لیے اور ان کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ (بعض) گمان گناہ ہے اور ایک دوسرے کے حال کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ کوئی

کسی کی غیبت کرے۔ اسی طرح اسلام میں مذہب اور ضمیر واعتقاد کے تحفظ کی گارنٹی یوں دی گئی: دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے، ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے۔ ایک دانشور مفکر لکھتے ہیں ''صبر واعتقاد کی آزادی ہی کا قیمتی حق تھا، جسے حاصل کرنے کے لیے مکہ مکرمہ کے سیزدہ سالہ دور ابتلاء میں مسلمانوں نے ماریں کھا کھا کر کلمہ حق کہا اور بالآخر یہ حق ثابت ہوکر رہا۔ اسلامی تاریخ اس بات سے عاری ہے کہ مسلمانوں نے کبھی اپنی غیر مسلم رعایا کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا ہو، یا کسی قوم کو مار مار کر کلمہ پڑھوایا ہو۔

**عورتوں، بچوں، غلاموں، یتیموں اور حاجتمندوں کے حقوق:** اعلان نبوت سے قبل عورتوں کی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی، معاشرہ میں اس کی حیثیت سامان لذت سے کچھ زیادہ نہ تھی، معاشی، سماجی ہر لحاظ سے بے بس تھی محمد عربی ﷺ نے اس سسکتی، بلکتی عورت کی فریادرسی کی اس کے حقیقی مقام کو متعین فرمایا: چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر ان کے حقوق کو بھی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔ اسی طرح قبل از اسلام اسقاط حمل اور دختر کشی کی رسم عروج پر تھی، اسلام نے سختی کے ساتھ اس گھناؤنے فعل سے منع کیا۔ ارشاد ہے: اپنی اولاد کو فقر وفاقہ کے خوف سے نہ قتل کرو، ان کو اور تم کو روزی ہم ہی دیتے ہیں۔ یقیناً یہ بڑا گناہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں غلاموں اور غریبوں کے حقوق بھی روندے، پامال کیے جاتے انہیں حقارت وذلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اسلام نے انہیں بھی اتنے حقوق دیئے کہ ان کی سطح زندگی بلند کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ چنانچہ ایسے ایسے اصول وقوانین طے کیے جن سے لوگ زیادہ سے زیادہ غلامی کی طوق سے نکل سکے بریں بنا بہت سے گناہوں اور حکم عدولیوں کا کفارہ غلاموں کی آزادی رکھی، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا۔

❁ ❁ ❁

# اسبالِ ازار اور ہمارا معاشرہ

از: میرزاہد مکھیالوی
خادم تعلیمات جامعہ فلاح دارین اسلامیہ، بلاسپور

سید الانبیا، سرور عالم ﷺ نے جس طرح حیاتِ انسانی کے مختلف شعبوں مثلاً اٹھنے، بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے اور دیگر معمولاتِ زندگی کے متعلق آداب واحکام کی تعلیم دی ہے اور اپنے قول وعمل سے امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی ہے کہ یہ کام حلال ہے یہ حرام یہ ناجائز ہے یہ جائز ہے یہ کام اچھا ہے اور یہ برا ہے وغیرہ اسی طرح لباس اور کپڑے کے استعمال کے بارے میں بھی واضح ہدایات دی ہیں ہم یہاں لباس کی ایک خاص نوعیت ''اسبال ازار'' کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ مسلم معاشرہ میں خاص طور پر خواص کے طبقہ میں بھی اس سلسلہ کی کوتاہیاں فروغ پاتی جارہی ہیں اور افسوس مزید اس پر کہ اس کوتاہی پر خیال والتفات تک نہیں، اولاً اس مضمون کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار (بخاری،ص:۸۶۱،ج:۲،مشکوٰۃ،ص:۳۷۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ازقسم ازار یعنی پائجامہ وغیرہ کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ (بخاری) عن ابن عمر انّ النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال من جرّ ثوبه خُیَلاء لم ینظر اللّٰه الیه یوم القیٰمة. (بخاری،ص:۸۶۰،ج:۲،مشکوٰۃ،ص:۳۷۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جوکوئی اپنا کپڑا استکبار اور فخر کے طور پر زیادہ نیچا کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر بھی نہ اٹھائے گا۔

عن ابی سعیدٍ الخدریؓ قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول ازرة المومن الی انصافِ ساقیه لا جناح علیه فیما بینه وبین الکعبین ومَا اسفل من ذلک

ففی النار قال ذلک ثلث مرّات و لا ینظر اللّٰہ یوم القیامۃ الی من جرّ ازارہ بطرا. (ابوداوٗد وابن ماجہ، مشکوٰۃ، ص:۴۷۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ مومن بندہ کے لئے ازار یعنی تہبند باندھنے کا طریقہ (یعنی بہتر اور اولیٰ صورت) یہ ہے کہ نصف ساق تک (یعنی پنڈلی کے درمیانی حصہ تک ہو اور نصف ساق اور ٹخنوں کے درمیان تک ہو تو یہ بھی گناہ نہیں یعنی جائز ہے اور جو اس سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے (یعنی اس کا نتیجہ جہنم ہے) راوی کہتے ہیں کہ یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی (اس کے بعد ارشاد فرمایا) اللہ اس آدمی کی طرف نگاہ اٹھا کے بھی نہ دیکھے گا جو ازراہِ فخر و تکبر اپنی ازار گھسیٹ کر چلے گا۔ ان حدیثوں میں فخر وغرور والا لباس استعمال کرنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی کہ وہ قیامت کے اس دن میں جبکہ ہر بندہ اپنے رب کریم کی نگاہِ رحم وکرم کا سخت محتاج اور آرزومند ہوگا وہ اس کی نگاہِ رحمت سے محروم رہیں گے۔ اللہ رب العزت اس دن ان کو بالکل ہی نظر انداز کردے گا اور ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔ کیا ٹھکانہ ہے اس محرومی اور بدبختی کا۔ اللّٰھم احفظنا منه.

حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کے لئے اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ تہبند اور اسی طرح پائجامہ نصف ساق تک ہو اور ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو یہ بھی جائز ہے لیکن اس سے نیچے جائز نہیں بلکہ سخت گناہ ہے اور اس پر جہنم کی وعید ہے۔ (معارف الحدیث، ص:۲۹۰، ج:۲)

اس وقت لباس کے متعلق اسلامی معاشرہ کی صورت حال زبوں تر ہے عوام الناس کے طبقہ میں دنیوی تعلیم وتہذیب سے متاثر طبقہ کا تو حال ہی عجیب وغریب ہو چکا ہے کہ ان کو لباس وپوشاک میں غیروں کے ساتھ ایسی مشابہت اور موانست پختہ ہو چکی ہے کہ مسلمان وغیر مسلمان کے مابین فرق وامتیاز مشکل بلکہ ناممکن معلوم ہوتا ہے اور اس مروجہ لباس شرٹ اور پینٹ کی وضع اور ہیئت ہی ایسی ہوتی ہے کہ اس کو پہننے والے کو ٹخنوں کا مستور ہونا ایک لازمی امر ہے، اگرچہ بعض دین سے وابستہ حضرات نماز وغیرہ کے دوران اس میں احتیاط کرتے نظر آتے ہیں لیکن اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جنہیں اس طرف توجہ نہیں رہتی بلکہ اس کے گناہ ہونے کا ادراک بھی نہیں ہوتا اور وہ اپنے معمول کے کپڑوں (نصف ہاتھ کہنیوں تک شرٹ اور ٹخنوں پر لٹکی پینٹ) میں نماز پڑھ لیتے ہیں، بہرحال اس مسئلہ سے قطع نظر کہ ان لوگوں کی نماز کا کیا حکم ہے یا ان کا عمل کس درجہ کا ہے؟ ہمیں یہاں ایک دوسرے موضوع پر عرض کرنا ہے۔ وہ یہ کہ مدارس اسلامیہ کے فضلاء اور مدارس میں زیر تعلیم طلبہ کو بھی عموماً اسبال ازار کے گناہ بے لذت میں دیکھا جاتا ہے، بلکہ بعض مدرسوں کے

معلّمین اور اہل انتظام کا بھی اس میں ابتلا نظر آتا ہے کہ وہ نہ خود اس کمزوری اور کوتاہی پر متنبہ ہوتے اور نہ اپنے ماتحتوں اساتذہ اور طلبہ کی وضع قطع اور اصلاح و درستگی کی جانب دھیان دیتے اس طرح یہ سلسلہ متعدی ہوتا جارہا ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے فرمودات وارشادات کسی خاص طبقہ کے لئے نہیں بلکہ ہر صاحب ایمان ان تعلیمات نبوی ﷺ کا براہِ راست مخاطب ہے، اور آپ ﷺ کے ذاتی معمول کو اپنے عمل میں لانا ہر مسلمان کی دینی محبت کا عین تقاضا بھی ہے اور خوش نصیبی کا سامان بھی، اللہ رب العزت ہمیں توفیق عمل سے نوازے اور ہم لوگوں کے مردہ احساس کو بیدار فرمائے، مدارس اسلامیہ کو یقیناً دینی مرکزیت اور معتبریت حاصل ہے اور ان کے ارباب حل وعقد اور مدرسین ومتعلّمین کو عام مسلمان بھی ایک نمونہ اور آئیڈیل کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ لہٰذا ہم اہل مدارس کو دینی تمام امور میں بہت محتاط اور حساس رہنے کی ضرورت ہے۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آدمی کے اندر آدمیت، دینی رنگ ومزاج، شرعی اُمور میں پختگی ومضبوطی اور عظمتِ دین کسی صاحب دل بزرگ عالم دین سے وابستگی وتعلق اور ان کی مومنانہ نظر سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

جیسا کہ کہا گیا ہے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ابتدائی فارسی کے شعبہ میں راقم الحروف جب حضرت مفتی مہربان علی شاہ بڑوتی قدس سرہٗ کے مدرسہ ہرسولی میں داخل ہوا تو حضرتؒ کی سب سے اوّل زیارت وملاقات تھی اس وقت سے عمر کے نہائی دور تک انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں حضرتؒ کو پختگی اور تصلب کے ساتھ ہمیشہ متبع سنت پایا۔ وہ اپنے خوردوں اور ماتحتوں کی صرف قولی طور پر نہیں بلکہ عملی طریقہ سے بھی اصلاح فرماتے، چنانچہ احقر نے ان کا پائجامہ کبھی اتفاقیہ بھی نصف ساق سے نیچے نہیں دیکھا، ایک دفعہ اصلاحی مجلس میں اسبال ازار کے متعلق گفتگو میں حضرتؒ نے سنایا کہ ایک بار کسی صاحب کی موٹر سائیکل کے ذریعہ ''شاہپور'' سے ''ہرسولی'' کے لئے چلا، راستہ میں ''کاکڑہ'' جو خالصتاً غیر مسلموں کی بستی ہے وہاں ہماری موٹر سائیکل خراب ہوگئی وہ صاحب اس کو دیکھنے لگے میں راستہ کے کنارہ کھڑا ہوگیا ایک غیر مسلم بڑے میاں آہستہ سے میرے قریب آئے اور دبی آواز میں کہنے لگے کہ اجی اگر برا نہ مانو تو ایک بات معلوم کرلوں؟ یہ اپنا پاجامہ آپ نے اتنا اوپر کیوں چڑھایا ہوا ہے کیا بات ہے؟ وہ چونکہ غیر مسلم تھے انہیں کیا خبر شریعت وسنت کی، میں نے ان کی سمجھ کے حساب سے انہیں جواب دیا

کہ زیادہ نیچے رکھنے سے کھڑے گندے ہوجاتے ہیں ان کپڑوں میں نماز بھی پڑھنا ہوتا ہے، یہ بات ان کی سمجھ میں آگئی۔ اپنی یہ آپ بیتی سنا کر حضرتؒ نے فرمایا آدمی میں جب پختگی اور مضبوطی ہوتی ہے تو اس کے لئے کوئی چیز بھی رکاوٹ نہیں بنتی یہ اپنے اندر کا روگ ہوتا ہے کہ آدمی سمجھتا ہے کہ لوگ میرا لباس دیکھ کر کیا کہیں گے؟ کبھی میرا مذاق بنالیں، حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اپنے کسی بھی معاملہ میں سچا اور مخلص ہوتا ہے تو کوئی اسے کچھ نہیں کہتا بلکہ سنجیدہ لوگ اسے قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حضرت بڑوتیؒ کے ایک مسترشد و مرید کا واقعہ ہے ایک دفعہ وہ اہل بدعت کے ایک خطہ میں پہنچے مسجد کی منتظمہ کمیٹی نے ان کا رمضان میں قرآن کریم سنانا طے کردیا، ان مرید مولانا صاحب کو جب مصلیان مسجد نے دیکھا تو ان کا لباس خاص طور پر پائجامہ دیکھ کر قرآن کریم سنانے سے منع کردیا کہ ان کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوگی ان کے اونچے پائجامہ سے یہ دیوبندی معلوم ہوتے ہیں۔ غرض انھوں نے بریلویت کے ماحول میں اپنے لباس میں نہ کوئی تبدیلی کی نہ مرعوب ہوئے بلکہ اپنی وضع پر برقرار رہے، یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے ان کے وہاں کے قیام کو باعثِ اصلاح بنایا۔

بہرکیف مدارس کے بعض نو فارغ فضلاء میں یہ بھی ایک المیہ ہے کہ وہ درس نظامی سے فراغت کرکے خود کو ہر چیز سے فارغ سمجھ لیتے ہیں اپنے کسی مربی و مصلح سے نہ وابستگی ہوتی نہ اپنی اصلاح و تربیت کا کبھی خیال آتا اور بغیر کسی تدریب وتمرین و تدریسی سلسلہ یا دیگر شغل میں مصروف ہوجاتے ہیں جس کا ایک مضر پہلو یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ دینی رنگ چونکہ پختہ نہیں ہوتا لہٰذا وہ ماحول کے مطابق اپنے کو ڈھال لیتے ہیں اور اس میں اس حد تک تجاوز ہوجاتا ہے کہ صرف ظاہری وضع قطع ڈاڑھی اور لباس ہی نہیں بدلتے بلکہ عقائد ونظریات اور سوچ وفکر تک ان فضلاء کی متاثر ومغلوب ہوتے دیکھا گیا ہے کہ جنھوں نے ایک مدت اپنے اساتذہ کی صحبت اور مدرسہ کی چہار دیواری میں گذاری ہے وہ اس فانی دنیا کی خاطر اپنے اکابر کا مسلک ومشرب تبدیل کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے اور بلا جھجک غیروں کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے اس کی اصلی وجہ تربیت نہ ہونا ہے۔

الحاصل ہماری ان معروضات کا مقصد یہی ہے کہ طلبہ کی ظاہری وضع قطع کو قطعاً نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ بطور خاص اہل مدارس کو اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ داخل شدہ طلبہ کی صرف بوقت داخلہ ہی نہیں بلکہ سال کے دوران بھی ماہ بماہ نگرانی کی جائے۔ اللّٰھم وفقنا لما تحب و ترضیٰ.

# اکابر دیوبند کیا تھے؟

(۳/۳)

از: مولانا محمد تقی عثمانی
کراچی، پاکستان

۳۱- امیر شاہ خان صاحب مرحوم راوی ہیں کہ جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا، اس زمانے میں ان کے مطبع میں مولانا نانوتویؒ بھی ملازم تھے اور ایک حافظ جی بھی نوکر تھے۔ یہ حافظ جی بالکل آزاد تھے، رندانہ وضع تھی، چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے، ڈاڑھی چڑھاتے تھے، نماز کبھی نہ پڑھتے تھے، مگر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ان کی نہایت گہری دوستی تھی۔ وہ مولاناؒ کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ مولاناؒ ان کے کنگھا کرتے تھے اور وہ مولاناؒ کے کنگھا کرتے تھے۔ اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولاناؒ کے پاس آتی تو اُن کا حصہ ضرور رکھتے تھے، غرض بہت گہرے تعلقات تھے۔ مولاناؒ کے مقدس دوست ایسے آزاد شخص کے ساتھ مولاناؒ کی دوستی سے ناخوش تھے، مگر وہ اس کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا، حسب معمول مولاناؒ نے حافظ جی کو نہلایا، اور حافظ جی نے مولاناؒ کو۔ جب نہا چکے تو مولاناؒ نے فرمایا: حافظ جی! مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور ہو اور میرا رنگ اور، اس لیے میں بھی تمہاری ہی وضع اختیار کر لیتا ہوں، تم اپنے کپڑے لاؤ، میں بھی وہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ ڈاڑھی موجود ہے تم اس کو بھی چڑھا دو اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے اُتاروں گا نہ ڈاڑھی، وہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے، اور کہا کہ ”یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ مجھے اپنے کپڑے دیجیے، میں آپ کے کپڑے پہنوں گا اور یہ ڈاڑھی موجود ہے اس کو آپ اُتار دیں۔ چنانچہ مولاناؒ نے ان کو کپڑے پہنائے اور ڈاڑھی اُتار دی اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔ (۳۷)

۳۲- دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ ایک مرتبہ انھوں نے محسوس کیا کہ بعض حضرات مدرسین دارالعلوم کے مقررّہ وقت سے کچھ دیر میں آتے ہیں تو آپ نے حاکمانہ محاسبہ کے بجائے یہ معمول بنالیا کہ روزانہ صبح کو دارالعلوم

کا وقت شروع ہونے پر دارالعلوم کے دروازے کے قریب ایک چارپائی ڈال کر اس پر بیٹھ جاتے اور جب کوئی استاد آتے تو سلام ومصافحہ اور دریافت خیریت پر اکتفا فرماتے، زبان سے کچھ نہ کہتے کہ آپ دیر سے کیوں آئے ہیں؟ اس حکیمانہ سرزنش نے تمام مدرسین کو وقت کا پابند بنادیا۔

البتہ صرف ایک مدرس اس کے بعد بھی کچھ دیر سے آتے تھے، ایک روز جب وہ وقت مقررہ کے کافی بعد مدرسہ میں داخل ہوئے تو سلام اور دریافت خیرت کے بعد اُنھیں پاس بٹھا کر فرمایا:

''مولانا! میں جانتا ہوں کہ آپ کے مشاغل بہت ہیں، ان کی وجہ سے دارالعلوم پہنچنے میں دیر ہوجاتی ہے، ماشاء اللہ آپ کا وقت بڑا قیمتی ہے اور میں ایک بے کار آدمی ہوں خالی پڑا رہتا ہوں، آپ ایسا کریں کہ اپنے گھریلو کام مجھے بتلادیا کریں، میں خود جاکر ان کو انجام دے دیا کروں گا تاکہ آپ کا وقت تعلیم کے لیے فارغ ہوجائے۔''

اس حکیمانہ طرزِ خطاب کا جو اثر ہونا تھا وہ ہوا اور وہ مدرّس بھی آئندہ ہمیشہ کے لیے وقت کے پابند ہوگئے۔(۳۸)

۳۳-حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اصلاحِ خلق کی توفیق خالص اور اس کا انتہائی حکیمانہ اسلوب مرحمت فرمایا تھا۔ اردو کے مشہور شاعر جناب جگر مرادآبادی مرحوم کا واقعہ ہے کہ ایک مجلس میں حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانویؒ سے ذکر کیا کہ: ''جگر مرادآبادی سے ایک مرتبہ میری ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ تھانہ بھون جانے اور زیارت کرنے کو بہت دل چاہتا ہے مگر میں اس مصیبت میں مبتلا ہوں کہ شراب نہیں چھوڑ سکتا، اس لیے مجبور ہوں کہ کیا منہ لے کر وہاں جاؤں''؟ حضرتؒ نے خواجہ صاحبؒ سے پوچھا: ''پھر آپ نے کیا جواب دیا''؟ خواجہ صاحبؒ نے عرض کیا کہ میں نے کہہ دیا ''ہاں! یہ تو صحیح ہے، ایسی حالت میں بزرگوں کے پاس جانا کیسے مناسب ہوسکتا ہے''؟ حضرتؒ نے فرمایا: ''واہ خواجہ صاحب! ہم تو سمجھتے تھے کہ اب آپ طریق کو سمجھ گئے ہیں، مگر معلوم ہوا کہ ہمارا خیال غلط تھا''۔ خواجہ صاحبؒ کے تعجب پر حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ ''آپ کہہ دیتے کہ جس حال میں ہو اسی میں چلے جاؤ، ممکن ہے کہ یہ ملاقات ہی اس بلا سے نجات کا ذریعہ بن جائے۔''

چنانچہ خواجہ صاحبؒ یہاں سے واپس گئے تو پھر اتفاقاً جگر صاحب سے ملاقات ہوگئی اور یہ سارا واقعہ جگر صاحب کو سنادیا۔ انھوں نے حضرت کے یہ کلمات سن کر زار زار رونا شروع کردیا اور بالآخر یہ عہد کرلیا کہ اب مر بھی جاؤں تو اس خبیث چیز کے پاس نہ جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ

شراب چھوڑنے سے بیمار پڑ گئے، حالت نازک ہوگئی، اس وقت لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس حالت میں بقدرِ ضرورت پینے کی تو شریعت بھی اجازت دے گی لیکن یہ جگر صاحب کا جگر تھا کہ اس کے باوجود انھوں نے اس اُمّ الخبائث کو ہاتھ نہ لگایا۔ اللہ تعالیٰ اہل عزم وہمت کی مدد فرماتے ہیں، اس وقت بھی حق تعالیٰ کی مدد سے چند روز ہی میں شفاءِ کامل حاصل ہوئی۔ اس کے بعد وہ تھانہ بھون تشریف لائے اور حضرت نے ان کا بڑا اکرام فرمایا۔ (۳۹)

۳۴- غالباً شملہ کے کسی کالج میں حضرت تھانویؒ کا بیان ہوا، وہاں آپ نے فرمایا کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کو جو شبہات پیدا ہوتے ہیں وہ صرف نصابِ تعلیم ہی کا قصور نہیں بلکہ اس کا بڑا سبب وہ لادینی ماحول ہے جس میں ہماری نئی نسل پلتی اور ڈھلتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ بزرگ علماء وصلحاء کی مجلسیں بحمداللہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ قائم ہیں، کچھ دن اس ماحول میں رہنے کی عادت ڈالیں۔

غالباً اسی مجلس میں ایک صاحب نے سوال کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کو انگریزی پڑھنے والوں سے نفرت ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ''ہرگز نہیں۔ ان لوگوں سے کوئی نفرت نہیں، البتہ ان کے بعض اعمال وافعال سے نفرت ہے جو شریعت کے خلاف ہیں'' یہ صاحب بولے ''وہ اعمال وافعال کیا ہیں''؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ''مختلف لوگوں کے مختلف اعمال ہیں، سب یکساں نہیں''۔ یہ صاحب بھی خوب آزاد آدمی تھے، کہنے لگے کہ ''مثلاً مجھ میں کیا ہیں''؟ آج کے عام وضع طلباء کی طرح ان کی بھی ڈاڑھی صاف تھی، حضرتؒ نے فرمایا: ''بعض چیزیں تو ظاہر ہیں، مگر مجمع میں اس کا اظہار کرنے سے حیا مانع ہے اور آپ کے باقی حالات ومعاملات مجھے معلوم نہیں جس پر کوئی رائے ظاہر کرسکوں''۔

یہ جلسہ ختم ہوا، حضرتؒ تھانہ بھون واپس آگئے پھر اتفاقاً کالج کی تعطیل ہوئی تو ایک طالب علم کا خط آیا، خط میں لکھا تھا کہ ہماری اس وقت تعطیل ہے، میں آپ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق کچھ دن آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں مگر میری ظاہری صورت بھی شریعت کے مطابق نہیں اور اعمال وافعال میں بھی بہت گڑبڑ ہے، ان حالات میں حاضری کی اجازت ہو تو میں حاضر ہوجاؤں، حضرت نے تحریر فرمایا ''جس حالت میں ہیں، چلے آئیں، کوئی فکر نہ کریں''۔ یہ صاحب آگئے اور عرض کیا کہ مجھے بہت سے شبہات واشکالات ہیں، ان کو حل کرنا چاہتا ہوں، حضرتؒ نے فرمایا کہ مناسب ہے مگر اس کی صورت یہ کرنی ہوگی کہ آپ کے جتنے شبہات ہیں ان سب کو لکھ لیں اور آپ مجلس میں بیٹھ کر ہماری باتیں سنیں، کوئی سوال نہ کریں۔ جب آپ کی مدتِ قیام کے تین دن رہ جائیں اس وقت یاد دلائیں تو میں آپ کو سوالات کا مستقل وقت دوں گا اور یہ بھی فرمایا کہ جو

سوالات آپ لکھ کر رکھیں گے، اس عرصہ میں کسی سوال کا جواب سمجھ میں آجائے تو اس کو کاٹ دیں۔

ان صاحب نے ایسا ہی کیا اور جب رخصت سے تین روز پہلے حضرتؒ نے سوالات کا وقت دیا تو انھوں نے بتلایا کہ میرے سوالات کی بہت طویل فہرست تھی مگر دورانِ قیام اکثر سوالات کے جواب خود سمجھ میں آگئے، ان کو کاٹتا رہا۔ اب صرف چند سوال باقی ہیں چنانچہ یہ سوالات انھوں نے پیش کیے اور حضرتؒ سے ان کے جوابات پاکر ہمیشہ کے لیے مطمئن ہوگئے۔ (۴۰)

## مخالفین سے سلوک

۳۵- اکابر دیوبند کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مخالف مسلک والوں سے بھی بداخلاقی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے نہ ان کی تردید میں دلآزار اسلوب کو پسند کرتے تھے اور نہ طعن آمیز القاب سے یاد کرنا پسند کرتے تھے بلکہ جہاں تک ہوسکتا بداخلاقی کا جواب خوش خلقی سے دیتے اور مخالفین کی دینی ہمدردی وخیرخواہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خادمِ خاص حضرت امیر شاہ خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولاناؒ خورجہ تشریف لائے اور وہاں ایک مجلس میں مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا (چونکہ وہ مخالف مسلک کے تھے اس لیے) میری زبان سے (طنز کے طور پر) بجائے فضل رسول کے فصل رسول نکل گیا۔ مولاناؒ نے ناخوش ہوکر فرمایا کہ ''لوگ ان کو کیا کہتے ہیں''؟ میں نے کہا ''فضل رسول'' آپ نے فرمایا ''تم فصل رسول کیوں کہتے ہو''؟ حضرت تھانویؒ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ حضرات تھے جو لا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب کے پورے عامل تھے حتیٰ کہ مخالفین کے معاملہ میں بھی۔'' (۴۱)

۳۶- بریلی کے مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اکابر دیوبند کی تکفیر اور ان پر سبّ وشتم کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ ہر پڑھے لکھے انسان کو معلوم ہے، ان فرشتہ خصلت اکابر پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے میں انھوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس دشنام طرازی کا سب سے بڑا نشانہ تھے، ایک روز اپنے شاگردِ رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ اُن کی تصنیفیں ہمیں سنادو۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے عرض کیا کہ ''حضرت! ان میں تو گالیاں ہیں۔'' اس پر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:

''اجی دُور کی گالیوں کا کیا ہے؟ پڑی (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں، تم سناؤ۔ آخر اس کے

دلائل تو دیکھیں، شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کرلیں۔'' (۴۲)

اللہ اکبر! یہ ہے حق پرستوں کا شیوہ، کہ مخالفین بلکہ دشمنوں کی باتیں بھی، اُن کی دُشنام طرازیوں سے قطع نظر، اس نیت سے سنی جائیں کہ اگر اس سے اپنی کوئی غلطی معلوم ہو تو اس سے رجوع کرلیا جائے۔

۳۷- مولانا محمود صاحب رام پوریؒ (جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے) فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے میں حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھانا کھا کر میرے پاس آگیا کہ میں بھی یہاں ہی رہوں گا، اس کو ایک چارپائی دے دی گئی۔ جب سب سو گئے تو رات کو میں نے دیکھا کہ مولاناؒ زنانہ میں تشریف لائے، میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد کروں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کرکے کیوں پریشان کروں میں نے دیکھا مولاناؒ اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے شروع کیے۔ وہ خرّاٹے لے کر خوب سوتا رہا۔ مولانا محمود صاحب کہتے ہیں کہ میں اُٹھا اور عرض کیا کہ حضرت! آپ تکلیف نہ کریں، میں دبادُوں گا مولاناؒ نے فرمایا کہ تم جاکر سوؤ، یہ میرا مہمان ہے، میں ہی اس خدمت کو انجام دوں گا۔ مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولاناؒ اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔ (۴۳)

۳۸- مولانا احمد حسن صاحب پنجابی مدرّس کانپور نے ''ابطالِ امکانِ کذب'' میں ایک مبسوط رسالہ تحریر کرکے شائع کیا جس میں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم عقیدہ حضرات کو فرقۂ ضالہ مزدار یہ میں (جو معتزلہ میں سے ایک گروہ ہے) داخل کردیا اور اس پر تقریظ لکھنے والوں نے تو اکابر دین کی نسبت زبان درازی کی انتہا کردی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ رسالہ دیکھ کر طیش تو بہت آیا لیکن علم وتقویٰ کا مقام بلند ملاحظہ فرمایئے کہ غیظ وغضب کے جذبات کو پی کر ارشاد فرمایا:

''ان گستاخ لوگوں کو بُرا کہنے سے تو اکابر کا انتقام پورا نہیں لیا جاسکتا، اور ان کے اکابر کی نسبت کچھ کہہ کر اگر دِل ٹھنڈا کیا جائے تو وہ لوگ معذور و بے قصور ہیں۔'' (۴۴)

۳۹- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ سے امت کو جو بے مثال نفع پہنچا وہ محتاجِ بیان نہیں۔ حضرتؒ کے مواعظ کا فیض آج تک جاری ہے اور جن حضرات نے ان کا مطالعہ کیا ہو وہ جانتے ہیں کہ یہ مواعظ دین کی بیشتر ضروریات پر حاوی ہیں اور اصلاح وتربیت کے لیے بے نظیر تاثیر رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ جونپور میں آپ کا ایک وعظ ہونا تھا۔ وہاں بریلوی حضرات کا خاصا مجمع تھا، آپ کے پاس ایک بے ہودہ خط پہنچا جس میں چار باتیں کہی گئی تھیں ایک تو یہ کہ تم جُلا ہے ہو دوسرے یہ کہ جاہل ہو، تیسرے یہ کہ کافر ہو۔ اور چوتھے یہ کہ سنبھل کر بیان کرنا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ شروع کرنے سے پہلے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قسم کا ایک خط میرے پاس آیا ہے پھر وہ خط سب کے سامنے پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ ''یہ جو لکھا ہے کہ تم جلا ہے ہو، تو اگر میں جلاہا ہوں بھی تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ میں یہاں کوئی رشتے ناتے کرنے تو آیا نہیں، احکامِ الٰہی سنانے کے لیے حاضر ہوا ہوں، سو اس کو قومیت سے کیا علاقہ؟ دوسرے یہ چیز اختیاری بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے جس کو جس قوم میں چاہا پیدا فرمادیا، سب قومیں اللہ تعالیٰ ہی کی بنائی ہوئی ہیں اور سب اچھی ہیں اگر اعمال واخلاق اچھے ہوں۔ یہ تو مسئلہ کی تحقیق تھی۔ رہی واقعہ کی تحقیق سو مسئلہ کی تحقیق کے بعد واقعہ کی تحقیق کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی لیکن پھر بھی اگر کسی کو تحقیق واقعہ کا شوق ہی ہو تو میں آپ کو اپنے وطن کے عمائد کے نام اور پتے لکھوائے دیتا ہوں، ان سے تحقیق کر لیجئے، معلوم ہو جائے گا کہ میں جلاہا ہوں یا کس قوم کا؟ اور اگر مجھ پر اطمینان ہو تو میں مطلع کرتا ہوں کہ میں جلاہا نہیں ہوں۔ رہا جاہل ہونا، اس کا البتہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں جاہل بلکہ اجہل ہوں لیکن جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا ہے اور کتابوں میں دیکھا ہے اس کو نقل کر دیتا ہوں۔ اگر کسی کو کسی بات کے غلط ہونے کا شبہ ہو اُس پر عمل نہ کرے۔ اور کافر ہونے کو جو لکھا تو اس میں زیادہ قیل وقال کی حاجت نہیں، میں آپ صاحبوں کے سامنے پڑھتا ہوں:

اشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمّد رسول الله (صلى الله عليه وسلم)

اگر میں نعوذ باللہ کافر تھا بھی تو لیجیے اب نہیں رہا۔ آخر میں سنبھل کر بیان کرنے کی دھمکی دی گئی ہے، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ نہیں ہے، جب کوئی بہت اصرار کرتا ہے تو جیسا کچھ مجھے بیان کرنا آتا ہے بیان کر دیتا ہوں، اگر آپ صاحبان نہ چاہیں گے تو میں ہرگز بیان نہ کروں گا۔ رہا سنبھل کر بیان کرنا تو اس کے متعلق صاف صاف عرض کیے دیتا ہوں کہ میری عادت خود ہی چھیڑ چھاڑ کی نہیں ہے، قصداً کبھی کوئی ایسی بات نہیں بیان کرتا جس میں کسی گروہ کی دل آزاری ہو یا فساد پیدا ہو، لیکن اگر اصول شرعیہ کی تحقیق کے ضمن میں کسی ایسے مسئلہ کے ذکر کی ضرورت ہی پیش آجاتی ہے جس کا رسوم بدعیہ سے تعلق ہے تو پھر میں رُکتا بھی نہیں، اس لیے کہ یہ صریح دین میں خیانت ہے۔ سب باتیں سننے کے بعد اب بیان کے متعلق جو آپ صاحبوں کی رائے ہو اس سے مطلع کر دیا جائے۔ اگر اس وقت کوئی بات کسی کے خلافِ طبع بیان کرنے لگوں تو

فوراً مجھ کو روک دیا جائے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی ادنیٰ شخص بھی مجھے روک دے گا تو میں اپنے بیان کو فوراً منقطع کردوں گا اور بیٹھ جاؤں گا۔ بہتر تو یہ ہے کہ وہی صاحب روک دیں جنھوں نے یہ خط بھیجا ہے یا اگر خود کہتے ہوئے انھیں شرم آئے یا ہمت نہ ہو تو چپکے سے کسی اور ہی کو سکھلا پڑھا دیں، ان کی طرف سے وہ مجھے روک دیں۔

یہ سن کر ایک معقولی مولوی صاحب جو بدعتی خیال کے تھے اور جن کا وہاں بہت اثر تھا، کڑک کر بولے: ''یہ خط لکھنے والا کوئی حرام زادہ ہے، آپ وعظ کہیے آپ کیسے فاروقی ہیں''؟ حضرتؒ نے فرمایا: ''میں ایسی جگہ کا فاروقی ہوں جہاں کے فاروقیوں کو یہاں کے لوگ جلاہے سمجھتے ہیں۔''

جب سارا مجمع خط لکھنے والے کو برا بھلا کہنے لگا، خاص طور سے وہ مولوی صاحب فحش فحش گالیاں دینے لگے تو حضرت والاؒ نے روکا کہ ''گالیاں نہ دیجیے، مسجد کا تو احترام کیجیے''۔ پھر حضرت والاؒ کا وعظ ہوا اور بڑے زور شور کا وعظ ہوا۔ اتفاق سے دورانِ وعظ میں بلاقصد کسی علمی تحقیق کے ضمن میں کچھ رسوم و بدعات کا بھی ذکر چھڑ گیا پھر تو حضرت والاؒ نے بلاخوفِ لومۃ لائم خوب ہی ردّ کیا، لوگوں کو یہ اختیار دے چکے تھے کہ وہ چاہیں تو وعظ کو روک دیں، لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ معقولی مولوی صاحب شروع شروع میں تو بہت تحسین کرتے رہے اور بار بار سبحان اللہ سبحان اللہ کے نعرے بلند کرتے رہے، کیونکہ اس وقت تصوف کے رنگ پر بیان ہو رہا تھا لیکن جب ردّ بدعات ہونے لگا تو پھر چپ ہو گئے مگر بیٹھے سنتے رہے، یہ بھی خدا کا بڑا فضل تھا کیونکہ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ایسے کٹر اور سخت ہیں کہ جہاں کسی واعظ نے کوئی بات خلافِ طبع کہی، انھوں نے وہیں ہاتھ پکڑ کر منبر سے اتار دیا، لیکن اس وقت انھوں نے دم نہیں مارا، چپکے بیٹھے سنتے رہے۔ لیکن جب وعظ ختم ہوا اور مجمع رخصت ہونے کے لیے کھڑا ہو گیا تو اُس وقت اُن مولوی صاحب نے حضرت والاؒ سے کہا کہ ''ان مسائل کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی''؟ اس پر ایک دوسرے ذی اثر مولوی صاحب (جو خود بدعتی خیال کے تھے) بڑھے اور جواب دینا چاہا لیکن حضرت والاؒ نے انھیں روک دیا کہ خطاب مجھ سے ہے، آپ جواب نہ دیں، مجھے عرض کرنے دیں پھر حضرت والاؒ نے اُن معقولی مولوی صاحب سے فرمایا کہ ''آپ نے یہ بات پہلے مجھ سے نہ فرمائی، ورنہ میں احتیاط کرتا، میں نے تو جو کچھ بیان کیا ضروری ہی سمجھ کر کیا، مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟ اب تو بیان ہو چکا۔ ہاں! ایک صورت اب بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ابھی تو مجمع موجود ہے، آپ پکار کر کہہ دیجیے کہ صاحبو! اس بیان کی کوئی ضرورت نہ تھی، پھر میں آپ کی تکذیب نہ کروں گا اور آپ ہی کی بات اخیر رہے گی۔'' اس پر سب لوگ ہنس پڑے اور مولوی صاحب وہاں سے رخصت ہو گئے۔

اُن کے چلے جانے کے بعد سب لوگ اُن کو برا بھلا کہنے لگے، جب بہت شور غل ہوا تو حضرت والاؒ نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ ''صاحبو! ایک پردیسی کی وجہ سے آپ مقامی علماء کو ہرگز نہ چھوڑیں، میں آج مچھلی شہر جارہا ہوں۔ اب آپ صاحبان یہ کریں اور میں ان صاحب کو بالخصوص خطاب کرتا ہوں جنھوں نے خط بھیجا ہے کہ وہ میرے بیان کا رد کرادیں پھر دونوں راہیں سب کے سامنے ہوں گی جو جس کو چاہے اختیار کرے، فساد کی ہرگز ضرورت نہیں''۔ پھر ان دوسرے مولوی صاحب نے (جو بدعتی خیال کے ہونے کے باوجود حمایت کے لیے آگے بڑھے تھے) کھڑے ہوکر فرمایا کہ:

''صاحبو! آپ جانتے ہیں کہ میں مولودیہ بھی ہوں، قیامیہ بھی ہوں مگر انصاف اور حق یہ ہے کہ جو تحقیق آج مولوی صاحب نے بیان فرمائی ہے صحیح وہی ہے۔''(۴۵)

۴۰- احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے متعلقین میں سے کسی صاحب نے اہل بدعت کی تردید میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ اہل بدعت نے اس کا جو ردّ لکھا، اس میں انھیں کافر قرار دیا۔ اس عمل کے جواب میں ان صاحب نے دو شعر کہے:

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست ❁ چراغِ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش ❁ دروغے را جزا باشد دروغے(۴۶)

انھوں نے حضرت شیخ الہند کو یہ شعر سنائے تو آپ نے شعری لطافت کی تو تعریف فرمائی لیکن ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ ''تم نے اُن کو لطافت کے ساتھ ہی سہی، کافر تو کہہ دیا حالانکہ فتویٰ کی رُو سے وہ کافر نہیں ہیں اس لیے ان اشعار میں اس طرح ترمیم کرلو۔

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست
چراغِ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
وہم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر تو مؤمنی فبہا ، و اِلاّ
دروغے را جزا باشد دروغے(۴۷)

یہ چند واقعات ہیں جو کسی خاص اہتمام اور تحقیق وجستجو کے بغیر زیر قلم آگئے۔ اس مختصر مضمون میں اس قسم کے واقعات کا احاطہ مقصود نہیں۔ اگر کوئی بندۂ خدا مزید تحقیق وجستجو اور مطالعہ کے بعد ان

حضرات کے ایسے واقعات کو یکجا کردے تو علم و دین کی بڑی خدمت ہو لیکن مذکورہ چند واقعات اکابر دیوبند کے حسن و جمال کی ایک جھلک دکھانے کے لیے، اُمید ہے کافی ہوں گے۔ وللہ الحمد اولاً وآخراً۔

❁ ❁ ❁

## حواشی:

(۳۷) مجالس حکیم الامت، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، ص:۵۸۔
(۳۸) مجالس حکیم الامت: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، ص:۶۰-۶۲۔
(۳۹) ارواح ثلاثہ، ص:۱۷۵، نمبر ۲۲۸۔
(۴۰) ارواحِ ثلاثہ، ص:۲۱۱، نمبر ۳۰۸۔
(۴۱) ارواحِ ثلاثہ، ص:۲۸۵، نمبر ۴۳۲۔
(۴۲) حیات شیخ الہندؒ از حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ، ص:۱۸۳۔
(۴۳) اشرف السوانح، ج:۱، ص:۶۸-۷۲۔
(۴۴) تم نے مجھے کافر کہا مجھے اس کا غم نہیں کیونکہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا۔ میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہوں گا، کیونکہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہوسکتی ہے۔''
(۴۵) ''تم نے مجھے کافر کہا، مجھے اس کا غم نہیں کیونکہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا، میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہوں گا اور تلخی کا جواب شیرینی سے دوں گا، اگر تم واقعی مومن ہو تو خیر ورنہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہوسکتی ہے۔''

❁ ❁ ❁

# انکارِ حدیث کیوں؟

(۳)

از: مولانا محمد یوسف لدھیانوی

## (۳) عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حدیث کا مقام

قرآن وحدیث کے بعد ہمارے سامنے صحابہ کرامؓ کا تعامل ہے۔ صحابہ کرامؓ کے حالات پر صحیح غور وفکر کا جن لوگوں کو موقع ملا ہے۔ ان کو معلوم ہے کہ حضرات صحابہؓ کی سیرت کا ایک ایک باب اخلاص وانقیاد اور اتباع وامتثال کا حسین مرقع ہے۔ ان کی ہر ادا سے اتباعِ نبویؐ کی شان ٹپکتی ہے۔ ان کو آنحضرت ﷺ کے فیضِ صحبت سے مشرف ہی اس لئے کیا گیا تھا تاکہ وہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق وعادات، عبادات ومعاملات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنی ذات میں جذب کر کے حسبِ استعداد آپ کے رنگ میں رنگین ہو جائیں اور بعد میں آنے والی امت کو اس رنگ میں رنگین کرتے چلے جائیں۔

معلّم انسانیت (ﷺ) کے ان بلاواسطہ شاگردوں کے متعلق یہ تصور کرنا کتنا گندا اور مکروہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی تعلیمات اور احادیث کو کوئی مرتبہ نہ دیتے تھے۔ العیاذ باللہ، کج ذہنی اور خام عقلی کی حد ہے کہ تلاش کرنے والے اسی ذخیرہ حدیث سے جو سب کا سب صحابہؓ سے مروی ہے۔ آج ایسی روایات تلاش کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ جن سے ثابت کیا جائے کہ معاذ اللہ صحابہ کرام حدیث نبوی کے دشمن، تعلیم نبوت کے مخالف اور سنت رسول کے مٹانے والے تھے۔ تعجب عقل وفہم کے ان مریضوں پر نہیں، بلکہ حیف ان نادانوں پر ہے جو ان دیوانوں کے ہذیانات پر وحی الٰہی کی طرح ایمان لاتے چلے جاتے ہیں۔

''دیوانہ گفت آبلہ باور کرد''

کیا کسی کی عقل باور کرسکتی ہے کہ جس امی قوم میں آنحضرت ﷺ کو الرسول کی حیثیت سے کھڑا کیا گیا تھا اسی قوم میں سے جن حضرات کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی توفیق دی گئی، آپ کی خدمت کے لئے جن کو چن لیا گیا، آپ کی حمایت اور نصرت کے لئے جن کو اٹھایا گیا اور آپ پر مرمٹنے ہی کے لئے جن کو آپ کے زمانہ میں پیدا کیا گیا، کیا وہ دنیا میں لائے ہی اس لئے گئے تھے

کہ آپؐ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کی ایک ایک سنت کو مٹاڈالیں۔ آپ کی سیرت کا ایک ایک ورق دھوڈالیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل علم وعمل، سیرت وکردار، اخلاق وعادات اور قضایا واحکام میں سے ایک ایک کو بدل ڈالیں۔ کتابیں پڑھنے اور پڑھ پڑھ کر خدا کی مخلوق کو گمراہ کردیں اور صحابہ کرامؓ کی زندگی میں انکار حدیث کی روایات تلاش کرنے سے پہلے کیا اتنی عقل سے کام لینا ضروری نہیں تھا کہ صحابہ کرام کو صحابہ بنایا کس مقصد کے لئے گیا تھا اور بعد میں آنے والے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو پیدا نہیں کیا گیا اس میں کیا حکمت ہے۔

جن نفوس قدسیہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے منتخب کیا گیا، مسلسل تئیس سال تک امتحان اور آزمائش کی بھٹی میں جن کو نکھارا گیا، جن کو تعلیم وتربیت، تزکیہ وتطہیر، اصلاح وتکمیل کیلئے عالم انسانیت کے سب سے بڑے معلّم، سب سے بڑے مصلح صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا، خداوند قدوس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی آخری شریعت کا سب سے پہلا امین اور محافظ جن کو بنایا گیا اور طویل مدت تک اسوۂ حسنہ کا رنگ جن کی زندگی کے ہر خاکہ میں بھرا گیا۔ مسجد نبوی کے علاوہ بدر کے میدانوں، احد کی پہاڑیوں۔ حدیبیہ کی وادیوں، حنین کی گھاٹیوں اور تبوک کے کھنڈرات کو جن کے لئے تعلیم گاہ قرار دیا گیا۔ کیا انہی کے متعلق عقل تسلیم کرسکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رخصت ہوجانے کے بعد قرآن کے سوا وہ اپنے نبی کی ہر تعلیم سے بیگانہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت سے ناآشنا ہوگئے ہوں گے۔ اور ان کے نزدیک آپ کی احادیث کا مرتبہ محض بے سروپا داستان سرائی ہوگا۔ استغفراللہ! پیش کرنے والے (حکام وقت کی رضا جوئی کے لئے) اسی نظریہ کو جو پیش کررہے ہیں بتلایا جائے کہ فساد ذہن اور خلل دماغ کے سوا، عقل اس کی کیا توجیہہ کرسکتی ہے؟ نعوذ باللّٰہ من فتنة الصدور.

صحابہ کرامؓ جنھوں نے ایک ہی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے لئے بیوی بچوں سے جدا ہوجانا گوارا کیا، خویش واقربا کو چھوڑا، قبیلہ اور قوم سے منہ موڑا، ملک بدر ہوئے، جاہ وجلال اور زر ومال کو بھی خیرباد کہا، الغرض جو پوری کائنات سے کٹ کر ایک ہی ذات کے قدموں میں آپڑے تھے، جو جلوہ ہائے رنگارنگ سے ہٹ کر ایک ہی جلوہ جہاں آرا پر نظریں جما چکے تھے، جو ایک ہی مطاع کے سامنے مٹ کر اپنی زندگی کو ایک ہی زندگی میں فنا کردینے کا عزم کرچکے تھے، جو ایک ہی مقتدا کی اتباع میں اپنی تمام خواہشات سے دست کش ہوجانے کا فیصلہ کرچکے تھے، جن کی وارفتگی کو دیکھ کر حقیقت ناشناس ان کے بے عقل ونادان اور رفتار زمانہ سے ناواقف ہونے کا طعنہ دیا کرتے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ کافر اور منافق لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھ کر کہتے تھے ﴿غَرَّ هٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ﴾ ''ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا''

﴿أنؤمِنُ كما اٰمن السفهاءُ﴾ (القرآن)

''کیا ہم نبی اور نبی کی ہر بات کو ایسا مان لیں جیسا یہ کم عقل مان بیٹھے ہیں''۔ جن صحابہؓ کی جاں نثاری کا تماشہ وقت کے سب سے بڑے دشمن سے بھی خراج عقیدت وصول کرلیا کرتا تھا۔

زید بن وثنہ کو جب برسرِ دار کھینچنے کے لئے میدان میں لایا گیا، تو ابوسفیان نے (جو بعد میں رضی اللہ عنہ کا مصداق بنے) کہا، صرف اتنا لفظ زبان سے کہہ دو کہ کاش میری جگہ ''محمد رسول اللہ ہوتے'' تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ لیکن کسی کی محبت میں تختہ دار جس کے لئے تیار کیا گیا تھا، جانتے ہو اس کی زبان سے کیا لفظ نکلا۔

"واللّٰهِ مَا أحبُّ إنَّ محمدًا الآن فی مکانه الذی هُوَ فیه تُصیبه شوکةٌ وأنا جالِسٌ فی أهلی. (الشفاء بتعریب حقوق المصطفٰی، قاضی عیاضؒ)

''بخدا مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ آنحضرت ﷺ جس جگہ اب تشریف فرما ہیں، اس جگہ آپ کو کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں۔''

اس جاں گداز فقرے کو سن کر پتھر دل مجمع تڑپ گیا۔ ابوسفیان کو اقرار کرنا پڑا اور اقرار صرف اسکے متعلق نہیں جس سے یہ فقرہ سنا گیا بلکہ پوری ایمانی برادری کے متعلق ابوسفیان کا اقرار ہے۔

"ما رَأیتُ مِنَ النَّاسِ یُحِبُّ أحَدًا کَحُبِ أصحاب محمدٍ مُحمَدًا ﷺ"

''محمدؐ کے صحابہ محمد کے ساتھ جس قدر محبت کرتے ہیں، میں نے ایسی محبت کسی کو کسی کے ساتھ کرتے نہیں دیکھا۔''

جو حضرات اپنے باپ کا سر کاٹ لانے کے لئے محض آپؐ کے اشارہ چشم کے منتظر رہا کرتے تھے، جو عمر بھر گریبان کھلا رکھنے کے اس وجہ سے عادی ہو گئے تھے کہ کسی کو انھوں نے ایک دفعہ کھلے گریبان دیکھ لیا تھا، جو سر کے بال اسلئے نہیں کٹواتے تھے کہ کسی کا ہاتھ ایک دفعہ ان بالوں پر پھر گیا تھا۔ جو خاص قسم کی سبزی کے اسلئے گرویدہ ہو گئے تھے کہ اس کی رغبت ان کو کسی میں محسوس ہو گئی تھی۔

سوچنا چاہئے کہ ان کا حال اس محبوبؐ کے ساتھ کیا ہوگا اور اس محبوب کے ارشادات کی ان کے نزدیک کیا قدر و قیمت ہوگی۔ سچ تو یہ ہے اور اس کا صحیح اندازہ بھی بیچارے بعد میں آنے والوں کو کب ہوسکتا ہے اور ان جذبات و احساسات کی پوری تصویر کشی بھی کب ممکن ہے۔ بالخصوص جب اس پر بھی نظر کرلی جائے کہ جس جلوہ جہاں آرا کی زیارت سے دیدہ و دل کی روشنی کا سامان ان کو میسر ہوا کرتا تھا، اب وہی ان کی نظروں سے پردہ میں جا چکا تھا، جس شمع عالم افروز پر پروانہ وار جانثاری کا منظر وہ رات دن پیش کیا کرتے تھے۔ وہی شمع عالمتاب اب محفل سے

اٹھائی جا چکی تھی۔ ان کے ہر درد کا درماں جس چہرۂ انور کی زیارت تھی، وہی ان کے سامنے سے اوجھل ہو گیا تھا، ان حالات میں ان کے زخمِ دل کا مرہم اور داغِ جگر کا مداوا بجز تکرار حدیث یار ہو بھی کیا سکتا تھا؟

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
اِلاّ حدیث یار کہ تکرار مے کنیم

راقم الحروف کو چند گھنٹوں کے لئے ایک معمر خاتون کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ ان کے والد ماجد ایک پختہ عالم اور درویش طبع انسان تھے۔ والد ماجد کی تعلیم سے زیادہ تربیت کا ان پر گہرا اثر تھا۔ اسی خاتون کو میں نے دیکھا کہ بار بار ان کی زبان سے بے ساختہ نکل جاتا۔ ابّا جی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ ابّا جی یہ مسئلہ اس طرح بیان کیا کرتے تھے۔

میں تنہائیوں میں بار بار سوچتا ہوں کہ یا اللہ! جو خوش قسمت آنحضرت ﷺ کے بلاواسطہ تربیت یافتہ تھے بلکہ مجھے اجازت دی جائے تو میں کہوں گا کہ جن حضرات کی تعلیم وتربیت کا سامان خود رب العزت جلّ مجدہ کی جانب سے کیا جارہا تھا اور قدم قدم پر جن کی تربیت کے لئے آنحضرت ﷺ کو بار بار ہدایات فرمائی جارہی تھیں جیسا کہ قرآن حکیم کی آیات شاہد ہیں، ملائکۃ اللہ کو جن کی تثبیت (ثابت قدم رکھنے) کے لئے بھیجا گیا تھا، الغرض وحی اور صاحب وحیؐ جس کی تربیت کے نگراں تھے ان کی تربیت کا رنگ کتنا گہرا، کتنا پختہ، کتنا پائیدار اور کتنا انمٹ ہوگا؟ (صِبۡغَةُ اللّٰهِ وَمَنۡ أَحۡسَنُ مِن اللّٰه صبغة)

سوچا نہیں جاتا جس آفتاب نبوت ﷺ کی کرنیں، آج چودہ صدیوں کے فاصلے پر بھی کروڑوں قلوب کو روشن اور تابناک کر رہی ہیں وہی آفتاب خوش قسمتی سے جن کے گھر طلوع رہا ان کے آئینۂ قلب کی روشنی کا کیا عالم ہوگا۔ لمبی لمبی راتوں میں تڑپنے والے قلب کی حرارت جب ہزار سال بعد بھی بے شمار دلوں کو گرما اور تڑپا رہی ہے جن کے سامنے وہ تڑپایا جاتا تھا اور اس کے سینے سے ہنڈیا پکنے کی آواز جن کو ان ناسوتی کانوں سے سنائی دیا کرتی تھی ان کی گرمیٔ باطن اور سوزِ دروں کا کیا حال ہوگا۔ ان باتوں کو کہاں تک بیان کیا جائے۔

حسن ایں قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد

بہرکیف عقلیں اگر ماؤف نہیں ہوگئیں، دماغوں سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں اگر بالکلیہ رخصت نہیں ہوگئیں تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان حالات میں جن کا ایک شمّہ نقل کر چکا ہوں، صحابہ کرامؓ کے متعلق کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے محبوب رسول اکرم ﷺ کی تمام ادائیں

یکسر بھول گئے ہوں گے یا وہ ان کو قصہ کہانی سے زیادہ کوئی وقعت نہ دیتے ہوں گے لَقَد جِئتُم شیئاً إدًّا لوگوں کو آج تعجب ہوتا ہے کہ وہ ایک ایک جملہ حدیث کی تصدیق وتائید کے لئے ایک ایک ماہ کی طویل مسافت کیسے طے کیا کرتے تھے، وہ طلب حدیث کے نشہ میں گرما وسرما کی شدتوں سے بے پروا کیسے ہوگئے تھے، صاحب حدیث ﷺ کا نام زبان پر جب آجاتا ان کا رنگ کیونکر بدل جاتا تھا، ان کے بدن پر لرزہ کیوں کر طاری ہوجاتا تھا، ان پر گریہ وزاری اور رقت وبے قراری کی کیفیت کس لئے طاری ہوجاتی تھی!

ہائے! تعجب سے سر پیٹنے والے ان نادانوں کو کس طرح سمجھایا جائے کہ عشق نبویؐ کی جو آگ ان کے دلوں میں لگادی گئی تھی اس کا نتیجہ اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا تھا؟

## حضرت صدیقؓ اور حدیث رسول ﷺ

یہاں تک جو بیان کیا جاچکا ہے اس سے ہر ذی شعور عقل سلیم کی روشنی میں فیصلہ کرسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا تعلق حدیث اور صاحب حدیث ﷺ کے ساتھ کیسا تھا۔ اب اس طرف توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک حدیث رسول ﷺ کا کیا مقام تھا۔ صحابہ کرامؓ قرآن حکیم کے بعد حدیث نبوی کو دینی حجت قرار دیتے تھے۔ یعنی جس طرح قرآن کریم کا ہر فیصلہ ناطق ہر حکم واجب العمل اور ہر فرمان واجب الاطاعت ہے، (بشرطیکہ منسوخ نہ ہو) کتاب اللہ کے بعد ٹھیک یہی حیثیت صحابہ کرامؓ کے نزدیک حدیث رسول کی تھی۔ ان کا ایمان اور عقیدہ یہی تھا کہ آنحضرت ﷺ کا ہر فیصلہ ہر حکم ہر ارشاد اور ہر فرمان وحی خداوندی ہے۔ ان کے نزدیک جس طرح قرآنی بینات سے اعراض کرنے والوں کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، حدیث اور سیرت کی کتابوں میں صحابہ کرام کی زندگی میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ انھوں نے کسی حدیث کو صرف اس وجہ سے رد کردیا ہو کہ معاذ اللہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا ان کے لائے ہوئے دین میں کوئی مقام نہیں، اس لئے نہ ہمارا حدیث پر ایمان ہے نہ وہ ہمارے لئے دینی سند ہے۔ اس قسم کے نظریات کو صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب کرنے والے افترا پرداز جس ملحدانہ نجاست سے صحابہؓ کرام کے دامن کو آلودہ دیکھنا چاہتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اپنی تدبیروں کے باوجود ناکام رہیں گے۔ (وان کان مکرھم لتزول منه الجبال)

## واقعہ جیش اُسامہ (رضی اللہ عنہ)

نظر صحیح سے اگر کام لیا جاتا تو حضرت صدیقؓ کی خلافت میں پیش آنے والا صرف ایک واقعہ

ہی حدیث سے متعلقہ تمام شکوک وشبہات کو دفع کرنے کیلئے کافی ثابت ہوتا۔ میرے نزدیک خلافت کی ذمہ داری قبول کرلینے کے بعد حضرت صدیقؓ کا پہلا کارنامہ مرتبۂ حدیث کی تعیین اور مقام سنت کی تشخیص تھا۔ میرا اشارہ جیش اُسامہؓ کے واقعہ کی طرف ہے۔

آنحضرت ﷺ نے آخری ایّام میں سرحد شام کی طرف بھیجنے کے لئے حضرت اُسامہ بن زیدؓ کی امارت میں لشکر تیار فرمایا۔ مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر مقام جرف میں یہ لشکر ابھی جمع ہورہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی رحلت کا سانحہ کبریٰ پیش آیا۔ آپ ﷺ کے وصال پر ملال کی خبر سن کر یہ سارا لشکر مدینہ طیبہ واپس آ گیا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو حضرت اسامہؓ کو دوبارہ تیاری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"اَنفِذْ فِیْ وجھكَ الذی وجّھك فیه رَسُولُ اللّٰه"

(جس مہم کیلئے آنحضرت ﷺ نے آپ کو روانگی کا حکم دیا تھا اس کیلئے روانہ ہوجاؤ)

چنانچہ لشکر دوبارہ اسی جگہ جمع ہونا شروع ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد حالات کس قدر نازک ہوچکے تھے اس کا کچھ اندازہ آج بھی تاریخی وثائق سے کیا جاسکتا ہے۔ حالات کی اسی نزاکت کے پیش نظر کبار صحابہؓ کو لشکر اسامہ کا بھیجا جانا شاق گذرا۔ حضرت عمر، عثمان، ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم جیسے اہل حل وعقد صحابہ کا وفد بارگاہ خلافت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

''اے خلیفہ رسول اللہ! عرب آپ پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑے ہیں۔ اس مٹھی بھر لشکر کو منتشر کردینا خلاف مصلحت ہے۔ براہ کرم اس لشکر کو مرتدین کے مقابلہ میں بھیجئے اور لشکر کا کچھ حصہ مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لئے یہاں رکھئے۔ دشمن کی طرف سے براہ راست مدینہ طیبہ پر اگر حملہ کردیا جائے جس کا ہر وقت اندیشہ ہے تو آپ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا کیا انتظام کریں گے؟ روم سے سردست ایسا کوئی خطرہ نہیں کہ ان کی طرف پیش قدمی ضروری ہو اس لئے بہ مقابلہ روم لشکر کشی میں اگر توقف کرلیا جائے تو کیا مضائقہ ہے پہلے مرتدین سے نمٹ لیا جائے پھر آپ بصد خوشی اسامہ کو بھیج سکتے ہیں۔''

نہیں کہا جاسکتا کہ اراکین وفد نے حالات کی الجھن کو کس بے چینی کے ساتھ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا ہوگا۔ کس قدر مبسوط تقریریں ان کی جانب سے اس موضوع پر کی گئی ہوں گی اور کس قسم کے دلائل سے اپنا موقف سمجھانے کے لئے انھوں نے

استدلال کیا ہوگا۔ البتہ روایت کے الفاظ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ ارکان وفد کے پاس ترکش سخن کا کوئی تیر باقی نہیں رہ گیا تھا جس کو انھوں نے استعمال نہ کرلیا ان کی پوری تقریر سن کر خلیفہ اسلام نے استفسار فرمایا: "هَلْ مِنْكُمْ أَحَدٌ يُرِيدُ أن يقُولَ شيئًا"

''آپ حضرات میں سے کوئی صاحب کچھ اور تو نہیں کہنا چاہتے''

وفد کے تمام ارکان نے بیک زبان کہا ''نہیں''، ہمیں جو کچھ کہنا تھا وہ آپ سن چکے ہیں۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا جواب سننے سے پہلے اس پر غور کیجئے کہ اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بھیجنے یا نہ بھیجنے کا مسئلہ بظاہر ایک وقتی اور ہنگامی قسم کا مسئلہ تھا پھر جن حالات میں یہ اکابر صحابہ لشکر اسامہ کو روک لینے کا مشورہ دے رہے تھے ان حالات میں ان کا مشورہ اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا پہلا جانشین جس کو بنایا گیا تھا اس کے نزدیک یہاں بحث کسی خاص لشکر کی نہیں بلکہ فیصلۂ نبوت کی تھی۔ عوام نہیں بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا اکابر صحابہؓ اور مہاجرین اولین کے نزدیک بھی صرف ایک لشکر کے نہ بھیجنے کا سوال تھا اور جن حالات میں یہ مشورہ ان کی طرف سے پیش کیا جارہا تھا، بعد کے نتائج کو اگر سامنے نہ رکھا جائے تو ہر دیکھنے اور سننے والا ان کے اس مشورہ کو مبنی برصواب قرار دینے پر مجبور ہوگا۔ لیکن نبی کے وصال کے بعد یتیم امت کا سربراہ اور متولی جس کو بنایا گیا تھا۔ اس کے نزدیک یہاں کسی لشکر کے بھیجنے یا نہ بھیجنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ اس کے نزدیک اصل سوال صرف یہ تھا کہ لشکر اُسامہ کو روم بھیجنے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں اور حالات کچھ ہو جائیں، آسمان ٹوٹ پڑے، زمین شق ہو جائے، پہاڑ ہل جائیں اور دنیا تہہ وبالا ہو جائے لیکن پوری امت کے مقتدار اور پوری امت کے امام کے لئے کیا یہ گنجائش ہوسکتی ہے کہ فیصلۂ نبوت کو بدل دے۔ نہیں! ہرگز نہیں۔ یہی اکابر صحابہؓ جو نازک ترین حالات کا حوالہ دے کر لشکر اُسامہ کے روک لینے کا مشورہ دے رہے تھے، وہ وہی سن رہے تھے (خدا ان پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے کہ ان کے طفیل آج ہم اور آپ بھی سن رہے ہیں) کہ خلیفہ اسلام ان کے جواب میں فرمارہے ہیں۔

"والذی نفسی بیده لو ظننتُ أنّ السباعَ تأكُلنِی بالمدينة لأنفذتُ هذا البعث ولا بُدّ أنْ يؤب مِنه كيف ورسُولَ اللّٰه ﷺ ينزل عَليه الوحیُ مِن السماءِ يقُولُ أنفِذُوا جَيش أسَامة" (حیات الصحابہ، ج:۱،ص:۴۱۰)

ترجمہ: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مجھے اندیشہ بھی ہو کہ اس لشکر کو بھیج دینے کی صورت میں مجھے درندے کھا جائیں گے تب بھی میں اس لشکر کو بھیج کر رہوں گا اور

اسے وہاں سے ہوکر ہی آنا ہوگا میں اس لشکر کو بھیجنے سے کیسے رُک جاؤں، جبکہ رسول اللہ ﷺ پر آسمان سے وحی نازل ہورہی تھی اور آپ ﷺ فرماتے تھے، اُسامہؓ کے لشکر کو بھیجو۔''

## حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ!

حضرت صدیقؓ کے اس پُرحکمت ارشاد میں اسلام کے کتنے بڑے اصول کو بیان کردیا گیا۔ تفصیل تو اس کی شاید کسی دوسرے موقع پر کرسکوں گا لیکن اجمالاً اتنا تو یہاں بھی سمجھ ہی لینا چاہئے کہ نبی کی پوری امّت اور علماء امت کا عقیدہ کہ وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وحی جلی جسے قرآن کہا جاتا ہے دوم وحی خفی جسے حدیث رسول اللہ ﷺ کہا جاتا ہے یعنی آنحضرت ﷺ کا ہر قول وفعل بھی وحی الٰہی میں مندرج ہے۔ آپ جو کچھ کہتے تھے اپنی خواہش اور رائے سے نہیں کہتے تھے۔ بلکہ وحی الٰہی اور مرضی خداوندی کی روشنی میں کہتے تھے۔ اسی طرح جو فعل بھی آپؐ سے صادر ہوتا تھا۔ وہ بھی ہوائے نفس اور تقاضائے ہوس سے نہیں بلکہ وحی خداوندی کے تحت ہوتا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ معاذ اللہ آپ ﷺ کا کوئی فعل یا ارشاد رضائے خداوندی کے خلاف ہو اور وحی الٰہی خاموش رہے۔ اس لئے آپ ﷺ کے جملہ اقوال وافعال جسے حدیث کہا جاتا ہے، کی حیثیت بھی وحی الٰہی کی ہے۔ بہرحال علماء اسلام کا یہ عقیدہ کہ حدیث نبوی وحی الٰہی وحی خفی ہے، کیا یہ عقیدہ کسی عجمی سازش کی پیداوار ہے؟ معاذ اللہ۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے الفاظ "کیف ورسولُ اللّٰہ ﷺ ینزلُ علیہ الوحیُ مِن السماء.

''اسامہ کا لشکر بھیجو۔ میں اس لشکر کو کیسے روک لوں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ پر آسمان سے وحی نازل ہورہی تھی اور آپ فرمارہے تھے۔

"أَنفِذُوا جَيش أَسَامة'' اسامہؓ کا لشکر بھیجو۔

میں کیا اس عقیدہ کا اظہار نہیں کیا جارہا۔ انفذوا جیش اسامہ کا جملہ جو لسان نبوت سے صادر ہوا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کی کسی آیت کا جزو نہیں لیکن امت کے سب سے پہلے خلیفہ سے آپ سن رہے ہیں کہ اکابر صحابہ کی موجودگی میں وہ اس کے وحی من السماء (آسمانی وحی) ہونے کا اعلان پوری قوت کے ساتھ کررہے ہیں۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ خلیفہ اسلام کے نزدیک آنحضرت ﷺ کا ہر حکم اور ہر فیصلہ وحی من السماء میں داخل ہے اور جس طرح قرآن حکیم وحی الٰہی ہونے کے سبب ملت اسلامیہ کے لئے دینی حجت ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ہر فیصلہ دینی سند ہے جس طرح قرآن حکیم کا متبع وحی الٰہی کا متبع ہے، اسی طرح حدیث نبویؐ کا منکر وحی من السماء

(آسمانی وحی) کا منکر ہے۔ خلیفہ اوّل کے بیان کئے ہوئے اس عقیدہ کو عجمی سازش قرار دے کر پوری امت کو گمراہ قرار دینے والوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ خود ہی کسی شیطانی سازش کا شکار تو نہیں؟

## صدیقی عقیدہ کہ احکام نبویہؐ ناقابل تغیر ہیں

بہرحال حضرت صدیقؓ کے اس صدیقانہ جملہ سے ایک اصول تو یہی ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ''وحی من السماء'' ہیں اس لئے امت کے لئے ان کا درجہ وہی ہوگا جو وحی الٰہی کا ہونا چاہئے۔ دوسرا قاعدہ جو اسی پہلے عقیدہ پر مرتب ہوتا ہے، اس صدیقی ارشاد سے یہ ثابت ہوا کہ دین کی جن جزئیات کو وحی من السماء (آسمانی وحی) نے متعین کردیا ہے۔ ان جزئیات میں تغیر وتبدّل اگر ہوسکتا ہے تو وحی کے ذریعے ہوسکتا ہے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کوئی نام نہاد مرکز ملت بصیرت قرآنی کے دعوے کے ساتھ، ان جزئیات میں تغیر وتبدل کی جرأت کرے تو اسے وحی الٰہی میں تحریف کا مجرم قرار دے کر بیک بینی و دوگوش ملت اسلامیہ سے خارج قرار دیا جائے گا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر خلیفہ راشد کون ہوگا اور جن اکابر صحابہ کا مجمع آپ کے گرد جمع تھا ان سے بڑھ کر قرآنی بصیرت کسے حاصل ہوسکتی ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر اُسامہؓ کو روک لینے پر محض اس لئے راضی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم اَنفذ واجیش اُسامہ کی تحریف اس سے لازم آتی ہے۔

پس جبکہ ایک فوجی نوعیت کے جزوی حکم کو نہیں بدلا جاسکتا تو کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جو احکام عبادات، معاملات، خصومات اور اخلاق سے متعلق ہیں، ان کے کسی ایک شوشے کو دنیا کی کوئی قوت بدل سکتی ہے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کے ارشاد کے موافق جب آنحضرت ﷺ کے جملہ اقوال وارشادات وحی من السماء ہیں تو اس وحی آسمانی کی متعین کردہ جزئیات میں تبدیلی کی جرأت کسی شیطان کو ہوتو ہو کسی مسلمان کو کب ہوسکتی ہے۔ اس جملہ سے ایک اور مطلب کی بات نکل آئی وہ یہ کہ جب حدیث رسول اللہ وحی آسمانی ہے اور اس کے متعین کردہ جزئیات اسی طرح ناقابل تبدیلی ہیں جس طرح قرآنی جزئیات تو اس سے ثابت ہوا کہ حالات کی تبدیلی کا سہارا لے کر اگر کوئی شخص احادیث رسول اللہ ﷺ سے پہلوتہی کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

حضرت صدیقؓ کا یہ جملہ کس قدر ایمان ویقین میں ڈوبا ہوا جملہ ہے کہ ''اگر مجھے درندے بھی مدینہ میں کھا جائیں تب بھی میں اس لشکر کو بھیج کر رہوں گا''۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے

وحی آسمانی سے یہ حکم فرمایا ہے کہ اُسامہ کے لشکر کو بھیجو اور یہ قصہ کیا یہیں ختم ہوگیا؟ جیسا کہ میں نے کہا ایک طرف اکابر صحابہؓ حالات کی نزاکت سے بے چین تھے۔ ان کے لئے یہ تصور بھی ناقابل برداشت تھا کہ حضرت اُسامہ کے ساتھ اہل اسلام کی عظیم جمعیۃ اگر مدینہ سے باہر دور دراز سفر کے لئے نکل گئی تو مدینۃ الرسول کی حفاظت کس طرح ہوگی۔ مدینہ طیبہ میں رہ جانے والے بیچاروں پر دشمن اگر حملہ کردے تو ان کی مدافعت کا کیا سامان ہوگا اور مسلمانوں کے بیوی بچوں کے علاوہ خود اُمہات المومنین کی حرمت کو خدانخواستہ خطرہ اگر لاحق ہو تو اس کے لئے کیا صورت کی جائے گی۔ حالات کی یہی پیچیدگی عام صحابہؓ کے علاوہ خود امیر جیش حضرت اُسامہؓ کو بھی بے چین کئے جارہی تھی چنانچہ امیر لشکر نے پھر حضرت عمرؓ کو بھیجا کہ خلیفہ رسول کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی طرف سے واپسی کی اجازت طلب کریں پیغام میں اسی بے چینی کا اظہار تھا۔

"فإن مَعِی وُجوهُهُم واعیاهم ولا أمن علی خلیفةِ رسُولِ اللّٰه وثَقَلُ رسول اللّٰه وأثقال المسلمین أن یتخطفَهُم المشرکون".

''مدینہ کی تمام قوت میرے ساتھ ہے۔ اس صورت میں خلیفہ رسول اللہ اور ازواج مطہرات اور مسلمانوں کے بیوی بچوں کے معاملہ میں مجھے بے اطمینانی ہے کہ دشمن ان کو اچک نہ لیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر لشکر کا یہ پیغام لے کر چلے تو آتے ہوئے انصار نے ان سے کہا کہ اگر خلیفہ رسول اس لشکر کے بھیجے بغیر راضی نہ ہوں تو ان کی خدمت میں ہماری یہ درخواست پیش کردیں کہ

"أن یولی علینا رجُلا أقدمُ سنًا من أسامة"

''اُسامہ کے بجائے کسی بڑی عمر کے آدمی کو ہم پر امیر مقرر کردیں۔''

حضرت عمرؓ امیر لشکر کا پیغام لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے عام اندازہ یہی تھا کہ خلیفہ رسول اللہ سپہ سالار کے پیغام کو سن کر شاید نرم ہوجائیں گے۔ عام صحابہؓ کے علاوہ سالار جیش کے نزدیک بھی یہ لشکر کشی کا تقاضائے وقت سے چونکہ آہنگ نہیں تھی۔ اس لئے قوی امید کی جاسکتی تھی کہ خلیفہ اعظم اپنے حکم پر نظر ثانی فرمائیں گے اور لشکر کو واپسی کا حکم ہوجائے گا اس موقع پر صحابہؓ کی نظر ایک طرف تقاضائے حالات پر تھی تو دوسری طرف صدیق اکبر کا اصرار لشکر کشی ان کے لئے اچھا خاصہ معمہ تھا۔ لیکن حضرت صدیقؓ کی بصیرت ایمانی کا فیصلہ یہ تھا کہ اسلام یا مسلمانوں کی حفاظت کا راز کسی لشکر کے بھیج دینے یا روک لینے میں نہیں۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کے حکم اور فیصلہ کی

حفاظت میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی حفاظت اگر کر لی گئی تو اسلام زندہ رہے گا اور مسلمان بھی محفوظ رہیں گے۔ خدانخواستہ جس دن فیصلۂ نبوت مسلمانوں کے ہاتھوں میں محفوظ نہ رہا اس دن نہ مسلمانوں کو کوئی لشکر دشمن سے بچا سکے گا، نہ غریب اسلام ہی کی حفاظت ہو سکے گی۔

حضرت عمرؓ نے خلیفہ رسول اللہ کی خدمت میں امیر لشکر کا پیغام جب نقل کیا تو سن کر فرمایا۔

"ولو اختطفنی الکلابُ والذیابُ لم أرد قضاءُ قضاهُ رسُولُ اللّٰہ ﷺ"

''مجھے اگر کتے اور بھیڑیئے بھی گھسیٹ کر لے جائیں تب بھی میں اس بات کو تبدیل نہیں کر سکتا جس کا فیصلہ آنحضرت ﷺ فرما چکے ہیں۔''

یہاں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکر بھیجنے کے لفظ ہی کو حذف فرما دیا۔ اصل بات نکھر کر سامنے آ گئی کہ فیصلۂ نبوت ناقابل تبدیل ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ اب حضرت صدیقؓ لشکر اُسامہ کے روک لینے پر کبھی رضامند نہ ہوں گے۔ اسلئے انھوں نے انصار کی درخواست پیش کی یعنی اسامہ کم عمر ہیں ان کے بجائے کسی بڑی عمر کے آدمی کو لشکر کا امیر مقرر کر دیا جائے۔

وہی صدیق اکبرؓ جن کے حلم و بردباری، متانت اور وقار کو آنحضرت ﷺ نے کسی موقع پر حلم خلیل اللّٰہی کے ہمرنگ قرار دیا تھا، اس درخواست کو سن کر ان ہی پر دیکھا گیا کہ یکا یک جلال موسوی طاری ہو گیا۔

"فوثب أبوبکر، وکان جالساً فَأخَذَ بلحیته عُمر وقال ثکلتك أمُّكَ وعَدَمتكَ أمُّكَ یا ابن الخطاب استَعْمَلهُ رسولُ اللّٰہ ﷺ وتأمُرُنی أن أنزعَه"

''ابوبکر بیٹھے تھے۔ اچانک اپنی جگہ سے اچھلے اور لپک کر عمر کی داڑھی پکڑ لی اور فرمانے لگے۔ اے خطاب کے بیٹے تیری ماں تجھے گم پائے اور تیری ماں تجھے مردہ پائے۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے امیر بنایا ہے اور تو مشورہ دیتا ہے کہ میں اسے معزول کر دوں۔''

آج خلیفہ رسول کی جانب سے خلیفۃ اللہ (موسیٰ علیہ السلام) کی سنت جوش و جلال کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے غور کرو کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ طرز عمل قرآن کے ان الفاظ کی کیسی عمدہ تصویر ہے۔

"فأخَذَ بلحیة أخیه یجُرُه إلیه"

''موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون کی داڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے''

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا پرجلال انداز اس وجہ سے تھا کہ ہارون علیہ السلام قوم کو گئوسالہ

پرستی کی گمراہی میں مبتلا دیکھ کر پھر بھی اسی قوم میں رہنا کیسے برداشت کرسکے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اطلاع دی کہ:

"قال یا ھارونُ ما منعك إذ رأیتَھُم ضَلُّوا أن لا تتبعن، أفعصیت أمری"

ترجمہ: ''موسیٰ علیہ السلام نے ہارون سے فرمایا۔ ''اے ہارون جب تو نے قوم کو دیکھ لیا تھا کہ وہ گمراہ ہوگئے ہیں تو تجھے کیا مانع پیش آیا کہ تم قوم کو چھوڑ کر میرے پیچھے نہ آئے۔''

ادھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ غیظ وغضب اسلئے تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی فاروقی بصیرت نے ایسے پیغام کو کیوں گوارا کیا جس سے فیصلہ نبوت میں ادنیٰ تبدیلی کا وہم پیدا ہوسکتا تھا۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ نہ پیغام بھیجنے والوں کے وہم وگمان میں تھا کہ اُسامہؓ کی معزولی سے فیصلہ نبوت میں تبدیلی ہوجائے گی، نہ پیغام لانے والے کے خواب وخیال میں تھا کہ اس مشورہ پر عمل کرنے سے نبوت کے فیصلوں کو پس پشت ڈالنے کا دروازہ کھل سکتا ہے لیکن ''صدیقی فراست'' اس نکتہ کو پارہی تھی اس لئے انھوں نے حضرت عمر کی داڑھی پکڑ کر اس فتنہ کا ہمیشہ کے لئے سدباب کردیا تاکہ آئندہ کسی شکم سیر کو آنحضرت ﷺ کی متعین کردہ جزئیات میں ترمیم وتنسیخ کی جرأت نہ ہو۔ اگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے فیصلہ نبوت کی حفاظت کے لئے اتنی شدت کا اظہار نہ کیا جاتا اور اُسامہؓ کی جگہ کوئی دوسرا امیر مقرر کردیا جاتا تو کہنے والوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرت ﷺ کے مقرر کردہ امیر کو معزول کردیا تھا۔ اسی راستہ سے دین میں تراش وخراش اور فیصلہ نبوت میں کتر بیونت کا موقع لوگوں کو مل جاتا۔ لیکن صدیق اکبرؓ پر خدا کی ہزاروں نعمتیں نازل ہوں پوری امت کی جانب سے ان کو جزائے خیر دی جائے کہ انھوں نے ہر شدت کو گوارا کیا۔ مگر حدیث نبوی کے حصار میں شگاف نہ آنے دیا۔ ہر آزمائش کا مقابلہ کیا مگر فیصلہ نبوت میں ادنیٰ تغیر کو برداشت نہ کیا۔ "فجزاہُ اللّٰہ عنا".

حضرت صدیقؓ کے اس موسوی طرز عمل کو سامنے رکھ کر اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ حضرت صدیق کی قرآنی بصیرت میں حدیث نبوی سے اعراض اور فیصلہ نبوت سے انحراف، گئوسالہ پرستی کے ہمسنگ تھا تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ دعویٰ بے جا ہوگا۔

حضرت صدیق کی طرف سے اپنے بھائی وعمر کی داڑھی پکڑ کر کپکپاتے ہوئے جسم اور لرزتی ہوئی آواز میں جب کہا جارہا تھا۔

"استَعْمَلَهُ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم و تأمُرنی أن أتزعه"

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے اسے امیر مقرر کیا ہے تو مجھے کہتا ہے کہ میں اسے معزول کردوں۔''

اس وقت کسے معلوم تھا کہ کچھ زمانہ بعد ایسے ''سامری صفت'' بھی پیدا ہوں گے جو حکامِ وقت پر اللہ ورسول کا نام چسپاں کرتے ہوئے۔

(هَذا إلهكُم وإله موسٰى فنسى) (القرآن الحكيم)

''یہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا، موسیٰ تو بھول کر طور پر چلا گیا'' کا ''سامریانہ'' نعرہ لگائیں گے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کے تمام بینات میں قطع وبرید کرڈالنا ہی ان کے نزدیک ''قرآنی بصیرت''، ''سنت جاریہ'' اور ملکہ اجتہاد قرار پائے گا۔

"يقرأون القرآن ولا يجاوز تراقيهم"

''وہ قرآن پڑھیں گے لیکن کیا مجال کہ ان کے حلق سے نیچے اتر جائے۔''

اور لُطف یہ کہ انہیں سامری صفت دجالوں کو ایسے سادہ لوح پرستار بھی مل جائیں گے جو اپنی عبادت کی وجہ سے اس نئے گئوسالہ سامری ''مرکز ملت'' کو سچ مچ اللہ ورسول مان لیں گے اور چودہ صدیوں کے ہارون صفت علماء ربانی کی ہارونی نصیحت

"يا قوم إنّما فُتِنتُم به وإنّ ربَكُم الرحمنُ فاتبِعُونِي واَطِيعُوا أمرى" (القرآن الحكيم: طه)

''لوگو! تم فتنہ میں مبتلا ہوگئے ہو۔ تمہارا رب (یہ گئوسالہ سامری نہیں بلکہ) وہ رحمان ہے جس کی رحمت زمین وآسمان کو محیط ہے۔ اس لئے خدارا تم میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔''

ان کے لئے بے اثر ثابت ہوگی، اور یہ شاگردان سامری، ہارون صفت علماء ربانیین کی اتباع کو انسان پرستی اور مذہبی اجارہ داری کا نام دیں گے!

بہرحال دورِ خلافت میں حضرت صدیقؓ کا پہلا کارنامہ میرے نزدیک یہی تھا کہ انھوں نے پوری قوت اور شدت سے مرتبۂ حدیث کو اجاگر کیا۔ اور ''مقام سنت'' کو واضح فرمایا اور حکمت الٰہی ان کے لئے ایسے اسباب بروئے کار لاتی رہی جن سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو مختلف عنوانات میں مرتبہ حدیث نبوی کی وضاحت کا موقع بار بار ملتا رہا۔

جیش اُسامہ کے واقعہ میں تو ایسا نظر آتا ہے کہ حضرت صدیق پر وجد اور حال کی سی رقت طاری تھی اور وہ اس واقعہ میں جرأت وہمت کے پیکر تھے۔ اسی واقعہ کا اور روح پرور اور ایمان

افروز جزا اور سنئے!

حضرت اُسامہؓ کا لشکر جب رخصت ہونے لگا تو خلیفہ رسول اللہ بنفس نفیس اُسامہ اوران کے ہمراہیوں کو رخصت کرنے کے لئے مقام ''جرف'' میں تشریف لائے۔ واقعہ کے عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ اسامہ اپنی سواری پر تھے اور خلیفہ اسلام ان کے پہلو میں سواری موجود ہونے کے باوجود پیدل چل رہے تھے۔ اسامہ کی طرف سے ہر چند اصرار بھی کیا گیا۔

''یا خلیفَة رسول اللّٰہ لترکبن أو لأنزلن''

''خلیفہ رسول! یا آپ سوار ہو جائیں یا میں اتر جاؤں'' لیکن جواب میں خلیفہ اسلام فرمارہے تھے:

''واللّٰہ لا تَنزِل، و واللّٰہ لا أرکبُ ومَا علی أنْ أغبَرَّ قدمیّ ساعةً فی سبیل اللّٰہ فإن للغازی بِکُلِ خَطرَةٍ یخطُوها سَبعُ مائةٍ حسَنةً تُکتَبُ لَهُ وسَبعُ مائةٍ درجة ترفَعُ لَه، وتُمحَی عَنه سَبعُ مائةِ خطیئة'' (حیات الصحابہ)

''خدا کی قسم نہ تم اترو گے اور خدا کی قسم نہ میں سوار ہوں گا میں اگر راہ خدا میں ایک ساعت کے لئے اپنے قدم غبار آلود کرلوں تو کیا مضائقہ ہے کیونکہ غازی کے لئے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، سات سو درجے اس کے بلند کئے جاتے ہیں اور سات سو خطائیں اس کی مٹادی جاتی ہیں''۔ (حیات صحابہ)

جو کہنا چاہتا ہوں وہ آگے آتا ہے۔ یعنی حضرت اُسامہ اوران کی جماعت کو رخصت کر کے جب واپس آنے لگتے ہیں تو اسلام کا الوداعی جملہ اَستودعُ اللّٰہ دِینك وأمانتكَ وخَواتیم عَملك'' (تیرا دین امانت اور خاتمہ عمل اللہ کے سپرد کرتا ہوں) ادا کرنے کے بعد خلیفہ رسول ﷺ امیر لشکر سے خطاب کرتے ہوئے فرمارہے تھے:

''أن رسول اللّٰہ أوصاك فأنفِذ لأمر رسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم فإنی لَستُ أمرك و لا أنهاك عَنه إنما أنا مُنفِذٌ لأمرٍ أمَرَ به رَسُولُ اللّٰہ ﷺ'' (حیات الصحابہ)

''آنحضرت ﷺ آپ کو وصیت فرما چکے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کا حکم گرامی بجاؤ۔ بندہ نہ کسی بات کا آپ کو حکم کرتا ہے نہ کسی چیز سے منع کرتا ہے۔ میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے حکم کو نافذ کرنے والا ہوں اور بس''

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس فقرہ کا مطلب یہی سمجھا ہوں اور شاید اس کے سوا دوسرا مطلب ہو بھی نہیں سکتا کہ حضرت صدیق ایک طرف ''مرتبہ فیصلۂ نبوت'' بیان فرمارہے ہیں کہ اس میں ترمیم وتنسیخ صدیقی مسلک میں غیر صحیح ہے۔ دوسری طرف وہ خلیفہ رسول یا بلفظ دیگر

خلیفہ اسلام کی حیثیت متعین کررہے ہیں کہ اس کی حیثیت صرف احکام نبوی (ﷺ) کے نافذ کرنے والے کی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے قضایا اور فیصلوں میں تبدیلی کردینا اس کا نہ منصب ہے نہ وہ اس کا مجاز ہے۔ کیوں نہ ہو جب خلیفۃ اللہ کو یہ منصب تفویض نہ کیا گیا کہ وہ اپنی رائے اور احکام اور فرامین میں ردوبدل کرڈالے۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرمایا جاتا ہے۔

"یا داودُ إنا جعلناك خَليفَةً فِي الأرضِ فاحكُم بين الناسِ بالحقِ ولا تتبع الهَوٰى فيضلك عن سبيل اللّٰه" (القرآن الکریم)

اے داؤد علیہ السلام ہم نے تمہیں اپنی زمین میں خلیفہ بنایا ہے اس لئے لوگوں کے درمیان حق کے موافق فیصلہ کیا کرو۔ اور خواہش کی پیروی نہ کیجیو۔ ورنہ تمہیں اللہ کی راہ سے بہکادے گی۔

پس سوچنا چاہئے کہ اس بات میں رسول اللہ ﷺ کے "خلیفہ راشد" کے لئے کب گنجائش ہوسکتی ہے کہ وہ صاحبِ وحی ﷺ کی ہدایات اور ارشادات آپ ﷺ کے احکام اور قضایا میں ردوبدل شروع کردے۔ ایسی صورت میں وہ جانشین رسول اور خلیفہ نبی کہلانے کا کب مستحق ہوگا۔

حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ ضروریات خلافت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واجب است برخلیفہ نگاہ داشتین دین محمدی ﷺ برصنفیکہ بسنت مستفیضہ آنحضرت ﷺ ثابت شدہ واجماع سلف صالحین براں منعقد گشتہ وانکار برمخالف"

(ازالۃ الخفاء جلد ا، ۲۹ طبع جدید)

"خلیفہ پر دین محمدی ﷺ کی حفاظت اور نگہداشت اسی شکل میں لازم ہے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ کی سنت مستفیضہ سے ثابت ہے اور سلف صالحین کا اجماع اس پر منعقد ہوچکا ہے۔ اسی کے ساتھ خلیفہ کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ سنت مستفیضہ اور اجماع کی خلاف ورزی کرنے والوں پر گرفت کرے۔"

اسی مضمون کو حضرت صدیقؓ ان الفاظ میں بیان فرمارہے ہیں جو اوپر نقل کرچکا ہوں، یعنی

"إنما أنا مُنفِذٌ لأمرٍ أمَرَ به رَسُولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم"

"میں تو صرف آنحضرت ﷺ کے حکم کو نافذ کرنے والا ہوں"

یہ الفاظ تو خیر اسامہؓ سے فرمائے گئے جس سے ایک گونہ اپنے اصرار کی وجہ بیان کرنا اور دوسرے لوگوں کا مشورہ قبول کرنے سے معذوری پیش کرنا بھی مقصود تھا۔ (باقی آئندہ)

(رباعیات)

# ذکر خاموش

نتیجہ فکر: ولی اللہ قاسمی بستوی
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم
اکل کوا، نندور بار مہاراشٹر

بروفات حسرتِ آیات، جناب حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب، گجراتی
سابق کارگذار مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرتِ خاموشؔ، خاموشی سے رخصت ہوگئے
اس خبر سے لوگ سارے محوِ حیرت ہوگئے
کرگئے ہجرت جہاں سے، دے گئے سوزِ فراق
اور جاکر ساکنِ گلزارِ جنت ہوگئے

دے گئے داغِ جدائی آہ! مولانا غلامؔ
چھوڑ کر ہم کو گئے وہ جانبِ ربّ انام
جان ودل سے کررہے تھے خدمتِ دارالعلومؔ
سات برسوں سے رہے مرغوبؔ کے قائم مقام

رہنے والے وہ تھے بیشک صوبۂ گجراتؔ کے
زینتِ میخانۂ قاسمؔ رہے دن رات کے
حکمتوں کے وہ لٹاتے ہی رہے لعل وگہر
قاسمِ دانا رہے ہیں علم کی سوغات کے

ان کا نقشِ جاوداں چھاپیؔ کا ہے دارالعلومؔ
ان کے فکر وفن سے روشن تھے وہاں ماہ ونجوم
سایۂ شفقت رہے ہیں نسلِ نَو کے واسطے
اور تھے انمول ، دُرّ مخزنِ دارالعلومؔ

پیکرِ زہد و قناعت تھے وہ مولانا رسولؔ
کررہے تھے چار جانب عام پیغامِ رسول
مخلصانہ خدمتیں جو کرگئے ، ہیں بے مثال
مادرِ علمی قیامت تک نہیں سکتی ہے بھول

وقتِ رحلت ، عمر ان کی کل بہتر سال تھی
زندگانی فضلِ مولیٰ سے بڑی خوشحال تھی
تھی طبیعت میں تواضع، خوش مزاجی تھی عزیز
فطرتِ مرحوم ، استغنا سے مالا مال تھی

ان کے ہاتھوں میں رہا ہے کچھ نظامِ اہتمام ہر مہینے پندرہ دن کرتے تھے آکر قیام
شوق سے گجرات سے آتے رہے وہ دیوبند خیر و خوبی سے ہوا ہے خدمتوں کا اختتام

---

دن جمعہ تھا ، قبلِ مغرب آیا پیغامِ اجل آٹھ اکتوبر(۱) کو پائے باغِ جنت میں محل
مادرِ علمی میں ان کے ہیں نقوشِ تابناک نسلِ نَو کو دے گئے خاموش تحریکِ عمل

---

ان کی فرقت سے ہمیں لاحق ہوا غم بے کراں ان کی ہجرت سے ہوا ، افسوس سونا گلستاں
روتے ہیں دیوار و دَر، اجڑا ہے خوشیوں کا چمن ہوگئی ہیں بلبلانِ خوش نوا ، ماتم کنا

---

ہے ''ولی'' کی یہ دعا اے رب رحمان ورحیم حشر میں خاموش ، پائیں سایۂ عرشِ عظیم
تا قیامت قبر پر رحمت رہے سایہ فگن مغفرت فرما دے ان کی اور دے دارِ نعیم

---

پیشکش: (خادم القرآن والمساجد جناب حضرت مولانا) غلام محمد وستانوی (صاحب دامت برکاتہم
بانی ورئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا)

❁ ❁ ❁

(۱) ۸/اکتوبر ۲۰۱۰ء مطابق ۲۹/شوال ۱۴۳۱ھ، بروز جمعہ....

# تعارف وتبصرہ

نام کتاب : پس مرگ زندہ
مؤلف : مولانا نور عالم خلیل امینی استاذ ادب عربی
ورئیس التحریر ''الداعی'' عربی، دارالعلوم دیوبند
ناشر : ادارۂ علم وادب دیوبند، یوپی، انڈیا
طباعت : باہتمام فرید بک ڈپو، دریا گنج، دہلی-۲
صفحات : نوسوبتیس (۹۳۲)
تاریخ طباعت: جمادی الاخریٰ ۱۴۳۱ھ مئی ۲۰۱۰ء
قیمت : درج نہیں
ملنے کے پتے: ادارۂ علم وادب، افریقی منزل، نزد مسجد چھتہ دیوبند ۲۴۷۵۵۴، یوپی
کتب خانہ نعیمیہ، جامع مسجد دیوبند
کتب خانہ حسینیہ، دیوبند۔ وغیرہ
فرید بک ڈپو، ۲۱۵۸، ایم پی اسٹریٹ، پٹودی ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی-۲

محبّ مکرم مولانا نور عالم خلیل امینی ہندوستان کے ان چند منتخب علماء میں سے ایک ہیں جن کی عربی زبان وادب میں مہارت کے اہل عجم ہی نہیں بلکہ خود عرب علماء وفضلا بھی معترف ہیں، مزید براں مولانا کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ملک اور گھر کی زبان یعنی اردو سے بھی رابطہ استوار ومستحکم رکھا، اور عربی کی طرح اردو زبان وادب میں بھی ان کا ذوق نہایت لطیف صاف ستھرا، اور بلند ہے۔ جس کی ایک شاہد عدل موصوف کی زیر تبصرہ تالیف ''پس مرگ زندہ'' بھی ہے۔ نوسوبتیس صفحات پر پھیلی ہوئی یہ ضخیم کتاب گویا زبان وادب کے گل بوٹوں سے لہلہاتا ہوا ایک چمنستان ہے۔ کتاب میں عصر حاضر کے اڑتیس علماء کے تذکرے ہیں جن میں اصحاب درس، ارباب تصنیف، داعی ومربی، سیاسی وسماجی قائدین، مؤرخ ومحقق، مشاہیر اور نوائے کم شہرت یافتہ ہر طرح کے علماء

فضلا، شامل ہیں، ان میں سے اکثر سے مولانا موصوف کے کسی نہ کسی نوعیت کے علمی، دینی اور ذاتی روابط ومراسم بھی تھے، جس کا تذکرہ تفصیل سے اور مؤثر انداز میں کیا ہے۔ خاص طور پر حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی دہلوی، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن واصف دہلوی، حضرت مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا سید اسعد مدنی، حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی وغیرہ کا تذکرہ بہت مفصل ہے، آخر الذکر ابھی ماشاء اللہ بقید حیات ہیں۔

کتاب میں مذکور شخصیات سے متعلق ضروری معلومات فراہم کرنے پر پوری توجہ دی گئی ہے اور جو بات بھی تحریر کی ہے تحقیق کی چھلنی میں چھان پھٹک کر مفصل کی ہے اور شنیدہ سے زیادہ دیدہ پر اعتماد کیا گیا ہے۔ ان معنوی محاسن کے ساتھ ظاہری زیبائش وآرائش میں بھی خوب سے خوب تر بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی ہے۔ ''پس مرگ زندہ'' کی خوبی اور اوساطِ علمیہ میں اس کی پذیرائی کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ چھ ماہ کی قلیل مدت میں اس کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ تذکروں کی طویل فہرست میں بندہ کے علم میں اس لحاظ سے تذکرہ کے موضوع پر یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔ جناب مولانا نور عالم خلیل صاحب بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

❁ ❁ ❁

نام کتاب : اسباق حدیث (جلد اوّل)
افادات : مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی بنارسی
نقل وترتیب: مولانا محمد ارشد فیض آبادی ومولانا کمال اختر خیر آبادی
ناشر : خانقاہ محمودیہ مسجد بلال، مالتی باغ، بنارس
مطبع : شیروانی آرٹ پرنٹرس، گلی قاسم جان، دہلی-۶
صفحات : دوسواٹھائیس (۲۲۸)
قیمت : سوروپئے (۱۰۰)

رفیق قدیم مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس، ایک باکمال عالم دین، ماہر فنون، مدرس اور صاحب بیعت وارشاد شیخ ومربی ہیں۔ موصوف کی توجہ

تصنیف وتالیف کی بجائے مردم سازی اور رجالِ کار کی تربیت کی طرف زیادہ ہے۔اسی وجہ سے اب تک ان کی کوئی باقاعدہ تصنیف وجود میں نہیں آسکی۔ زیر تبصرہ ''اسباق حدیث'' بھی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں ''مشکوٰۃ شریف'' کے منتخب ابواب کی روشنی میں کی گئی تقریروں کا مجموعہ ہے، جس میں شب قدر کی اہمیت، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو مضبوطی سے تھام لینا، خواب اور اس کی تعبیر، توبہ واستغفار، مہمان کی تعظیم وتکریم، حسن سلوک اور باہمی تعلقات وغیرہ نوعنوانات کے تحت حدیث پاک کی روشنی میں نہایت مفید اور کارآمد مضامین، سہل اور دل نشیں پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔مفتی صاحب نے اہم سے اہم تر مضامین کو جس طرح آسان اور قریب الفہم بنا کر پیش کیا ہے، یہ ان کی مہارت علم وفن کی کھلی دلیل ہے۔البتہ صفحہ ۶۰ پر ''سنت کی تعریف اور اس پر عمل کا حکم'' کے تحت جو تفصیل بیان کی گئی ہے، بندہ اپنی کم فہمی کی بناء پر اسے سمجھ نہیں سکا "لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلك امرا" بہرحال اسباق حدیث کا یہ مجموعہ اپنے مواد کی صحت، اسلوب کی دل نشینی اور بیان کی وضاحت ولطافت کے اعتبار سے ایک مجموعہ خوبی ہے، جس کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔

❁ ❁ ❁